بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ
الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ
تذکرہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق علیہم الصلوٰۃ والسلام
المکۃ المکرمۃ
مع
فضائل و احکام عیدالاضحیٰ
از
مولینا سید محمد قاسم شاہ بخاری
صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر و مہتمم حنفیہ عربی کالج ٹرسٹ سرینگر
شائع کردہ، المکتبۃ الاسلامیہ الحنفیہ، عیدگاہ سرینگر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝

تذکرہ ابراہیم واسمٰعیل واسحاق
علیہم الصلوٰۃ والسلام

مع

فضائل واحکام عید الاضحیٰ

از

مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاری

صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر و مہتمم حنفیہ عربی کالج ٹرسٹ نورباغ سرینگر

ہدیہ ۱۲ روپے

مؤلف :- مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاری

پتہ :- (۱) گنڈپورہ عیدگاہ سرینگر
(۲) حنفی عربی کالج نوباغ سرینگر

❖

مطبوعہ :- نیو کشمیر پریس (اوقاف بلڈنگ) سرینگر

❖

کتابت :- عبدالمجید جاوید عیدگاہ سرینگر

❖

قیمت : صرف بارہ ۱۲ روپے Rs. 12/=
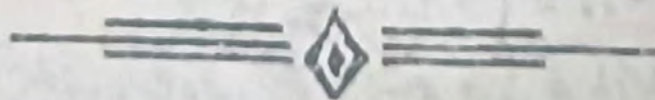
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

امیر شریعت علامہ سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیفات کی پی۔ڈی۔ایف بناکر حقیر انٹرنیٹ پر اس نیت سے اپلوڈ کررہا ہے تاکہ علامہ کی خدمات سے تمام امت مسلمہ مستفید ہوپائے۔

تمام احباب سے گزارش ہے کہ حقیر کے لئے دعا فرمائیں۔

حقیر

سید عارف صاحب قادری۔

بسم اللہ

اس کتاب کے چند عنوانات و مباحث

"ہر ایک عنوان بفضلہٖ تعالیٰ قابل ستائش معلومات پر مشتمل"
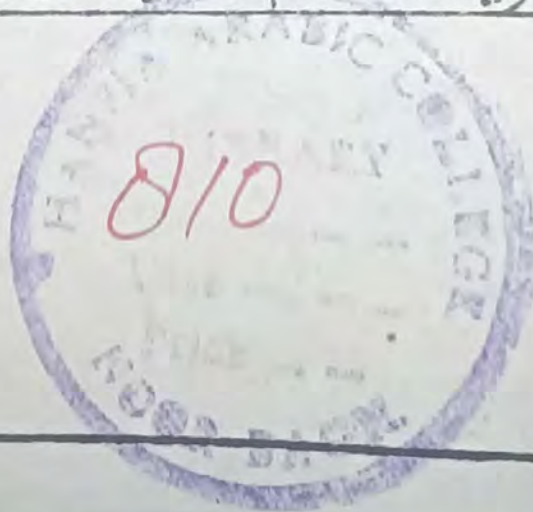
تیسرا ایڈیشن

شائع :- المکتبۃ الاسلامیہ الحنفیہ، عیدگاہ سرینگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی جَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ ○ مِنْ اَتْبَاعِ السَّلَفِ الصَّالِحِیْنَ ○ وَوَقَانَا مِنَ الْکُفْرِ وَالشِّرْکِ وَالْبِدْعَاتِ وَالرَّفْضِ وَالتَّجَدُّدِ الْخَالِصِ الْمُخْرِجِ مِنْ مِلَّۃٍ حَنِیْفِیَّۃٍ سَھْلَۃٍ سَمْحَاءَ مِلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا مُسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ فَخْرِ الْاَوَّلِیْنَ وَسَنَدِ الْآخِرِیْنَ ○ اَلَّذِی اصْطَفَاہُ اللّٰہُ مِنْ ذُرِّیَّۃِ اِسْمٰعِیْلَ ابْنِ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ نُجُوْمِ السَّمَاءِ فِی اللَّیْلَۃِ الظَّلْمَاءِ وَخَیْرِ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ الْمَعْصُوْمِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ○ فَمَنْ تَمَسَّکَ بِھِمْ وَاتَّبَعَ ھَدْیَھُمْ زُحْزِحَ مِنَ النَّارِ وَاَضْحٰی مِنَ النَّاجِحِیْنَ ○ وَمَنْ تَکَبَّرَ وَاَبٰی مِنَ الْاِسْتِمْسَاکِ بِھِمْ صَارَ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ وَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ ○

اَمَّا بَعْدُ!

مؤلف کتاب کی مخلصانہ گذارش

عرصۂ دراز کی بات ہے کہ جب نیاز مند نے "تذکرۂ ابراہیم" کو تالیف کیا تھا اور قدرداں حضرات نے اس کو تلقی بالقبول کر کے مؤلف کتاب کو شکریہ ادا کرنے کا موقعہ دیا۔ اس کے بعد ۱۹۸۱ء میں عزیزی خورشید احمد قریشی سابقہ رفیق انجمن نے اسے دوبارہ شائع کرنے کی تجویز کی، کیونکہ پہلے ایڈیشن کے تمام نسخے چند ماہ کے اندر ہی اختتام پذیر ہوگئے تھے۔

مؤلف کتاب نے موصوف کی تجویز قبول کی۔ البتہ حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحاق علیہما السلام کے پورے حالات طیبات اصلی کتاب کتاب میں اضافہ کیے۔ یہ ایڈیشن بھی چند ماہ کے اندر اندر ختم ہو گیا۔ فالحمد للہ رب العٰلمین۔

حال ہی میں ایام عید اضحی کے موقع پر کچھ دوستوں نے کتاب کے بارے میں دو باتوں کی شکایت کی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کتاب مذکورہ میں قربانی کے مسائل پورے طور درج نہیں کئے گئے تھے۔

دوسری شکایت انہوں نے یہ کی کہ تذکرۂ ابراہیم میں سورہ انعام کی آیت "فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ" پر کوئی بحث نہیں کی گئی ہے جس کی وقتی طور پر زیادہ ضرورت تھی۔

مؤلف کتاب نے دونوں شکایتوں پر اچھی طرح غور و فکر کیا تو معلوم ہوا کہ شکایت کرنیوالے حضرات کی شکایت بجا ہے، بیجا نہیں اس لئے راقم نے ان کی شکایت کا اس طرح ازالہ کیا کہ بحث مسائل

میں بہت سے علمی مسائل متعلقہ کا اضافہ کیا۔ اور دوسری شکایت کا
کے ازالہ کیلئے شروع کتاب میں ایک مقدمہ بڑھایا، جس کا عنوان
”عصمۃ الانبیاء“ ہے۔ اس مقدمہ سے نہ صرف ”ھٰذا ربی
ھٰذا اکبر“ پر مفسرانہ بحث ہوگی، بلکہ سارے انبیاء و مرسلین کا
معصوم اور ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہونا واضح ہوگا۔ میری دعا
ہے کہ حق تعالیٰ اس ایڈیشن کو سابقہ ایڈیشنوں کیطرح قبول فرمائے۔ آمین

المقدمۃ فی عصمۃ الانبیاء ملاحظہ ہو :۔

کتاب الآثار، مصنفہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رح کے ترجمہ
میں مولانا ابو الفتح عزیزی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :۔

پیغمبروں کے بارے میں یوں اعتقاد ہونا چاہئے کہ وہ سب
خلق سے افضل ہیں اور پاک ہیں خدا نے ان کو اپنی کمال رحمت
سے آدمیوں کیطرف بھیجا ہے کہ نیک راہ بتلائیں، دین و دنیا سنواریں
اور ان کو قسم قسم کے معجزات دیے کہ ان کی راستی میں کوئی عاقل
آدمی شک نہ لائے وہ سب گناہوں سے پاک ہیں۔ صغیر گناہوں یا کبیر
نبوت سے پہلے بھی اور پیچھے بھی، اور یہی مذہب ٹھیک اور حق
ہے۔ (انتہی بلفظہ ص ۱۷)

عبارت مذکورہ سے عیاں ہے کہ انبیاء کرام ؑ اور مرسلین عظام ؑ
شروع زندگی سے آخری زندگی تک چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم
اور پاک ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اُن پر ایک خاص عنایت و مہربانی ہے۔

اب آپ تفسیر خازن کی عبارت ملاحظہ فرماویں :۔

"لِاَنَّ الْاَنْبِیَاءَ مَعْصُوْمُوْنَ فِیْ کُلِّ حَالٍ مِنَ الْاَحْوَالِ وَاَنَّہٗ لَا یَجُوْزُ اَنْ یَکُوْنَ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ رَسُوْلٌ یَا نَبِیٌّ عَلَیْہِ وَقْتٌ مِنَ الْاَوْقَاتِ اِلَّا وَھُوَ بِاللّٰہِ عَارِفٌ وَلَہٗ مُوَحِّدٌ وَلَہٗ مِنْ کُلِّ مَنْقَصَۃٍ مُنَزِّہٌ وَمِنْ کُلِّ مَعْبُوْدٍ سِوَاہٗ بَرِیْءٌ۔"

کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام تمام حالات میں گناہوں سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں۔ اور یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی پیغمبر ہو اور پھر اس پر کوئی ایسا وقت گزرے جس میں اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت نہ ہو۔ اور نہ ہی یہ بات جائز ہے کہ اس کو توحید پرستی میں کوئی خلل اور کمزوری آجائے بلکہ وہ ہر وقت حضرت حق کو ہر قسم کے عیب و نقصان سے پاک جانتا اور اس کے ماسوا کی عبادت و بندگی سے بری و بیزار ہوتا ہے۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ پیغمبر ہر وقت معرفت الٰہی سے سرشار ہوتا ہے اور توحید سے اس کا سینہ برابر معمور رہتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کو ہر نقص و عیب سے پاک جانتا ہے اور شرک جلی و خفی سے بیزار اور دور رہتا ہے۔ یہ پیغمبروں پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

اور واضح رہے کہ یہ صفت تمام انبیاء و مرسلین کی نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ پیغمبروں میں سب سے اونچا درجہ ہمارے نبی مکرم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور آپ کے بعد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ اسی طرح شرح عقاید نسفی میں لکھا ہے۔

"أنّ الأنبياء معصومون عن الكذب خصوصاً فيما يتعلّق بأمر الشرائع وتبليغ الأحكام وإرشاد الأمّة أمّا عمداً فبالإجماع وأمّا سهواً فعند الأكثرين وفي عصمتهم عن سائر الذنوب تفصيل وهو أنّهم معصومون عن الكفر قبل الوحي وبعده بالإجماع وكذا عن تعمّد الكبائر عند الجمهور الى آخر البحث"۔

ترجمہ:- کہ انبیاء و مرسلین جھوٹ بولنے سے معصوم و پاک ہیں، خاصکر شریعت، تبلیغ احکام اور امت کی راہنمائی میں تو یہ حضرات جھوٹ بولنے سے بہت ہی پاک ہیں۔ قصداً تو بالاتفاق اور خلاف اولیٰ صورت اختیار کرنے میں علماء کا اختلاف ہے کہ بعض کے نزدیک جائز اور بعض علماء اسے ناجائز بتاتے ہیں۔ اسی طرح باتفاق علماء حق انبیاء و مرسلین وحی کے نازل ہونے سے پہلے بھی اور وحی نازل ہونیکے بعد بھی کفر و شرک سے محفوظ و معصوم ہوتے ہیں اور جمہور علماء اسلام کے نزدیک انبیاء گناہِ کبیرہ اور ایسے ہی صغیرہ گناہوں سے بھی ہمیشہ پاک اور معصوم ہوتے ہیں جو موجب خست اور پاک طبائع کے بر خلاف ہو۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جمہور علماء کا اعتقاد ہے کہ انبیاء و مرسلین کفر و شرک اور گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی۔ البتہ خلاف اولیٰ امر بلحاظ ان کے مقدس منصب کے ان سے صادر ہو سکتا ہے، پھر کبھی ایسے معاملات میں

اللہ تعالیٰ ان کی رہبری فرماتے ہیں۔ (ھٰذا ھو الحق)

(ف ا)

یاد رکھیے کہ جہاں ہم نے اُوپر انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے خلافِ اولیٰ امر کا صادر ہونا ممکن بتایا ہے اس سے ہمارا مطلب صرف اتنا ہے کہ کبھی پیغمبروں کے سامنے ایسے واقعات و حالات پیش آتے ہیں جہاں دو چیزیں فی نفسہٖ جائز اور درست ہوتی ہیں پیغمبر اُن دو امروں میں سے حسنِ نیت و اخلاص کامل کے ساتھ ایسا امر اختیار کرتا ہے جس میں بہتری دیکھتا ہے مگر علم اللہ میں دوسرا امر اختیار کرنا محبوب اور زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے وقت پیغمبروں کو آگاہ کرتا ہے کہ ہمیں وہ امر زیادہ پسندیدہ تھا جو پیغمبر نے چھوڑ دیا ہے ــــ جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قریش کو تبلیغ فرماتے تھے، اسی دوران حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے، تو آنحضورؐ نے اُن سے محض اسلئے بیرخی فرمائی ہے کہ یہ اپنے ہیں۔ لہٰذا قریش ہی کی طرف اس وقت متوجہ ہونا پسند خاطر فرمایا۔ اُسکے برخلاف اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب تھا، کہ عبداللہ ابن ام مکتوب کی قدر دانی کرنی چاہیئے تھی تو فوراً آپ کو پُرلطف خطاب سے آگاہ کیا "عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی... الخ۔ اسی طرح "عَفَی اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ" کی تفسیر پر غور کیجیئے ــــ چونکہ پیغمبروں کا مقام بہت اونچا ہے، اُنکے ایسی خلاف اولیٰ امر کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ذنب سے بھی تعبیر کرتا ہے۔ لہٰذا اُن سے خلافِ اولیٰ

امر کا بمعنی مذکور صادر ہونا اُن کی عصمت کے خلاف نہیں ہے۔
مزید مطالعہ کے لئے خلاصۃ التفاسیر مطبوعہ مکہ مکرمہ ملاحظہ کیجیے
لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا

اس تمہید کے بعد سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو یہ قول " هٰذَا رَبِّیْ هٰذَا اَكْبَرُ " نقل فرمایا ہے کہ یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ تو واضح ہے کہ آپ نے یہ اعتقاد کے طور پر نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے بطور بحث و مناظرہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی قوم جس طرح بُت پرست تھی اسی طرح وہ ستارہ پرست بھی تھی۔ پس حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام چھوٹے بڑے ستاروں اور سیاروں کی حرکات و تغیرات اور ان کے احوال کے ادلنے بدلنے سے ان کا حادث، محتاج اور متغیر بالاحوال ہونا ثابت کر کے اپنی قوم کو اس بات پر متنبہ فرماتے ہیں کہ حادث و محتاج کسی بھی صورت میں معبود حقیقی اور خالق نہیں ہو سکتا جس پر " وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ " کہ میں شرک کرنے والوں میں سے قطعاً نہیں ہوں۔ شاہد عدل اور برہان قاطع ہے کیونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے جو دوام پر دلالت کرتا ہے۔ اور علم مناظرہ کے قواعد میں سے یہ بھی ایک قاعدہ ہے کہ مناظرہ کرنے والا اپنے مدِ مقابل کے مسلّمہ مقدمات اس بنا پر تسلیم کرتا ہے کہ پھر انہی مقدمات کو کام میں لا کر بذریعۂ عقل و برہان مدِ مقابل کے دعویٰ کو توڑ کر اسکو پڑے ہوئے مغالطہ سے باہر نکالے، جیسا کہ علم مناظرہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ جیسا کہ رشیدیہ میں مرقوم ہے:

لہذا ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ ہمیشہ موحد تھے اور توحید کے بارے میں وہ کبھی متردد اور متحیر نہیں تھے، وہ لکھنے والا انتہائی درجہ کا عجلت پسند ہے جس نے سورۂ انعام کی زیر بحث آیات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے مقام تحیر قرار دیکر توڑ مروڑ کر بل کھاتے ہوئے لفظوں میں آپ کو کچھ وقفہ کے لئے مشرکوں کی صف میں کھڑا کیا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ" وہ شرک کرنیوالوں میں سے نہیں تھے۔ اس آیت کو فراموش کرنا اور آیت "هٰذَا رَبِّي هٰذَا أَكْبَرُ" پر خواہ مخواہ بحث چھیڑنا تفسیر نہیں بلکہ ابراہیمؑ کیلئے تحقیر ہے جو کفر صریح ہے۔

اور ملاحظہ فرمائیے:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر مولود فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے اور فطرت وہ چیز ہے کہ جس پر انسان کی پیدائش ہوئی اور جو چیز جیسے پیدا کی گئی اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور ارشاد باری ہے "وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ" اور فرمایا: "فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اور ارشاد ہے: کہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہوتی اور جب یہ خدا پرستی کی فطرت اور اعتراف عبودیت تمام ہی مخلوق کے بارے میں ہے تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بارے میں کیسے نہ ہو اور وہ خدا شناسی کے بارے میں

متفکر اور متردد کیسے ہو سکتے ہیں، وہ فطرتِ سلیم کے لحاظ سے بہترین انسان تھے۔ لہٰذا اس بات کا پورا اعتقاد ہونا چاہیئے کہ وہ اس مقام میں اپنی قوم سے مناظرہ اور مباحثہ فرما رہے ہیں اور جس شرک میں وہ لوگ مبتلا تھے۔ انکے خیالات کو دلیل اور برہان سے رد کر رہے تھے جیسا کہ عصرِ حاضر کے بعض متجددین پرچے ورق الٹ کر ہیں یہ غلط خیالات ٹھہراتے ہیں۔ معاذ اللہ من ذالک! ایسے غلط خیالات سے دور رہیئے۔ (مزید تفصیل کے لیے تفسیر ابنِ کثیر ملاحظہ فرمائیے)

اس سلسلہ میں!

حضرت تھانوی قدس سرہ کا یہ نوشتہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

فرماتے ہیں: ان آیات کی تفسیر سے پہلے چند امور ضروریہ کا خیال رکھنا معین فہم تفسیر ہوگا۔ (۱) اقوالِ ابراہیم علیہ السلام کے تتبع سے ان کی قوم کے احوال فی القرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت پرستی بھی کرتی تھی اور ستاروں کو بھی عالم میں متصرف مانتی تھی۔ پس یا تو وہ بطور مشرک کے تھی اعتقادِ الوہیت اصنام و ربوبیت کواکب اسی واسطے ابراہیم علیہ السلام کے مناظرات میں دونوں قسم کا کلام ہے۔ (۲) دوم ابراہیم علیہ السلام ہوش سنبھالتے ہی اسکے قبل سے توحید کے عارف و معتقد تھے۔ (۳) سوم آپ کی قوم خدا کی بھی قائل تھی یا نہیں سو دونوں احتمال ہے۔ اور تفسیر آیت کی اس طرح کرتے ہیں: "آپ نے اپنی قوم سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تمہارے زعم کے موافق یہ میرا اور تمہارا رب ہے

اسی طرح حضرت سید محمد نعیم مرادآبادی کنزالایمان کے حاشیہ پر
"ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَا اَکْبَرُ" کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:
یہ گفتگو بیان کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابتدا ہی سے توحید
کی حمایت اور عقاید کفریہ کا ابطال شروع فرما دیا .... اور اس زمانہ
کے لوگ بت اور کواکب کی پرستش کرتے تھے تو آپ نے ایک نہایت
نفیس اور دلنشین پیرایہ میں انہیں نظر و استدلال کی طرف رہنمائی
کی، جس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ عالم بتمامہٖ حادث ہے، اِلٰہ
نہیں ہو سکتا۔ (ماخوذ من کنزالایمان)

اسی طرح تفسیر جلالین نے!

"ھٰذَا رَبِّیْ" کی تفسیر اس طرح کی "فی زَعْمِکُمْ" کہ یہ میرا رب ہے
تمہارے اعتقاد کے موافق۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی قوم
سے بحث و مناظرہ کرنے شروع فرمایا، اور یہ آپ کا ذاتی اعتقاد کسی بھی صورت
میں نہیں تھا ___ اور "فَلَمَّا اَفَلَتْ" کے تحت لکھتے ہیں: "وَفُوِّتَ
عَلَیْہِمُ الْحُجَّۃُ وَلَمْ یَرْجِعُوْا" کہ جب حضرت ابراہیمؑ مناظرہ میں
دلیل و برہان سے اپنے مخالفوں پر غالب آئے تو کھلم کھلا فرمایا:
میں تمہارے خود ساختہ معبودوں، بتوں کی پرستش اور کواکب
کی عبادت سے بری اور بیزار ہوں۔ یعنی آپ کی تبلیغ میں تدریج
تھا اور مخاطبین کو رفتہ رفتہ سمجھا رہے تھے، باقی شرک کا خیال تک
آپ کے قلب مبارک میں کبھی بھی نہیں گذرا۔" (فافہم)

اور تفسیر حسینی نے "هٰذَا رَبِّيْ" کا اس طرح ترجمہ کیا ہے:
"گفت اینست کہ میگویند آفتاب پرستاں کہ پروردگار ماست"
یعنی ابراہیمؑ نے فرمایا: یہ ہے وہ کہ جسے آفتاب پرست کہتے ہیں کہ یہ میرا پروردگار ہے۔ یعنی اس میں حرف استفہام مقدّر اور پوشیدہ ہے۔

حضرت مولانا آزادؒ "هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ" کی آخری سطروں میں اس طرح وضاحت فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:
"اب صبح ہوئی اور مہرِ جہاں تاب درخشاں ہو گیا، یہ سب سے بڑا ہے کہ اس سے بڑا اجرامِ سماویہ میں کوئی نہیں۔ لیکن دیکھو یہ بھی کسی حاکم کے آگے جھکا ہوا ہے۔ اس کی روشنی کو بھی قرار نہیں، پہلے بڑھنے لگی، پھر ڈھلنے لگی، پھر رفتہ رفتہ چھپ گئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا: نہیں! ان میں سے کوئی بھی پروردگار نہیں ہو سکتا کیونکہ سب زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں: کہ ہم مختار نہیں مجبور ہیں، حاکم نہیں محکوم ہیں۔ ہم سے بھی ایک بالاتر ہستی ہے جس نے ہمیں اپنے حکموں اور قاعدوں کے آگے جھکا رکھا ہے۔ پس جو اُن سب سے بالاتر ہے اور اُن سب کا بنانے والا ہے، میں صرف اسی کا ہو رہا۔ میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں۔" —— (ترجمان القرآن)

تفسیر "معالم التنزیل" کے مصنف الامام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفرّاء البغوی الشافعی المتوفیٰ ۵۱۶ھ آیاتِ مذکورہ سورۃ الانعام

کی تفسیر میں پہلے عصمت انبیاء ثابت کرتے ہیں۔ اور پھر آیت "هٰذَا رَبِّي هٰذَا اَكْبَرُ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کچھ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول "هٰذَا رَبِّي هٰذَا اَكْبَرُ" بالکل زمانہ طفولیت اور ہوش سنبھالنے سے پہلے کا ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں اور نا ہی اس پر کوئی شرعی حکم مرتب ہو سکتا ہے کیونکہ شرعی احکام بعد البلوغ ثابت ہوتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی فرماتے ہیں: "وهٰذا القول ليس بسديد لِاَنَّ الْاَنْبِيَاءَ مَعْصُوْمُوْنَ فِيْ كُلِّ حَالٍ مِنَ الْاَحْوَالِ" کہ یہ رائے مضبوط نہیں کیونکہ انبیاء ہر حال میں گناہوں اور شرک و کفر سے معصوم تھے، خاصکر ابراہیمؑ جو پہلے ہی رشد و ہدایت سے نوازے گئے تھے۔ پھر مفسر مذکور فرماتے ہیں: بلکہ آپ نے مباحثانہ طریقہ اختیار فرما کر اپنی قوم پر انکی جہالت آشکار کی۔

دوسری وجہ بتاتے ہیں: "هٰذَا رَبِّي هٰذَا اَكْبَرُ" آپ نے بطریق استفہام توبیخ کے فرمایا ہے، اور عربی زبان میں حرف استفہام اس طرح بہت جگہ حذف کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: "کیا یہ میرا رب ہے جس کا تم گمان کرتے ہو" یعنی یہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ متغیر اور حادث ہے۔

موصوف کی عربی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"اَلْوَجْهُ الثَّانِيْ اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِفْهَامِ وَهُوَ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ وَتَوْبِيْخٍ لَهُمْ تَقْدِيْرُهُ اَهٰذَا رَبِّيَ الَّذِيْ تَزْعُمُوْنَ وَاِسْقَاطُ حَرْفِ الْاِسْتِفْهَامِ كَثِيْرٌ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ وَمِنْهُ قَوْلُهٗ تَعَالٰى اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ يَعْنِيْ اَفَهُمُ الْخَالِدُوْنَ۔"

تیسری تاویل!

۳۔ مفسرِ مذکور نے یہ بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول "ھٰذَا رَبِّی ھٰذَا اَکْبَرُ" بطور احتجاج و استدلال تھا۔ کہ اس سے اپنی قوم کو ان کی غلطی و گمراہی پر ہونا ثابت کرتے تھے یعنی یہ تمہارے گمان اور زعم باطل کے مطابق میرا خدا ہے۔ پس جب سورج ڈوب گیا تو فرمایا کہ اگر یہ فی الواقع خدا ہوتا تو یہ ڈوبتا اور نہ اس کے احوال میں تغیر آتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ" عذاب کا مزہ چکھو کہ تو زبردست اور صاحب کرم ہے۔ یعنی "عِنْدَ نَفْسِکَ وَ زَعْمِکَ" کہ تو اپنے دل اور اپنے گمان باطل میں بڑا زبردست اور صاحب کرم ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی ہے۔ "ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَا اَکْبَرُ فِیْ زَعْمِکُمْ وَاعْتِقَادِکُمْ" نہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس لفظ سے اپنا اعتقاد بتلاتے ہیں

چوتھی تاویل!

۴۔ مصنف مذکور آیت زیر بحث کی چوتھی تاویل کر کے فرماتے ہیں کہ آیت میں کچھ عبارت مقدر ہے۔ یعنی: "یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَا اَکْبَرُ" کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ میرا خدا ہے یہ بڑا ہے۔" پس آپ نے لوگوں کا اعتقاد باطل بتایا نہ اپنا، آپ تو معاذ اللہ ہمیشہ حنیف تھے ایک خدا کے ماننے والے اور باطل سے نفرت کرنے والے تھے۔ قرآن کریم کی آیتوں میں محاورات عرب کے مطابق بعض الفاظ محذوف و مقدر رہتے

ہیں جیسے "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ
اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ"
یَقُوْلَانِ: مقدر ہے معنی یہ ہوئے، وہ وقت قابل ذکر ہے
کہ جب ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کعبہ (معظمہ) کی دیواریں اونچی کرتے ہوئے
کہتے تھے "رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ" یہ جواب بہت اچھا
ہے کہ اس میں تکلف نہیں اور عصمت انبیاء کا مسلّم اصول باقی
رہنا چاہیے ورنہ ذہناً حق پوست بہ مغز ہو کر رہے گا معاذ اللہ من
ذالک۔

پانچویں تاویل!

مفسر مذکور نے یہ کہ آپ نے یہ عجائبات سماوات دیکھنے کے بعد تثبیت
اور حق پر استقامت اور انجام نیک سرانجام کے طور پر فرمایا اس
پر آپ کا قول "لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَکُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ
الضَّآلِّیْنَ۔" قرینہ ہے کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں بھی
انہیں گمراہوں میں ہوتا ——

بہر حال یہ علمی بحث ہے اس رسالہ میں اس سے زیادہ لکھنے کی
گنجائش نہیں ہے اگر منظور خدا ہوا تو ہم اپنی تفسیر میں مفصل طور پر
انبیاء و مرسلین کے معصوم ہونے پر قلم اٹھائیں گے۔ یہاں صرف ہمارے
ان اشارات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ لکھنے والے قلموں کو جنبش دیتے وقت
عوام کے ذہنوں کا خیال رکھیں اور انہیں ایمان سے محروم نہ کریں۔

طالب دعا، مؤلف

۱۴۰۸ھ
(۱۹۸۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ قَائِلِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُتَّبِعِیْنَ لِشَرِیْعَۃٍ سَمْحَۃٍ سَمْحَاءَ مِلَّۃِ اِبْرَاہِیْمَ حَنِیْفًا مُسْلِمًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ الَّذِیْ اَحْیَا مِنْ مَعَالِمِہَا مَا کَانَ اِنْدَرَسَ وَعَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ مَادَامَ یُضَحّٰی فِی الْحِلِّ وَمِنٰی۔

تمام فرزندانِ توحید اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس روز دین اسلام میں نہایت محترم اور واجب التعظیم ہیں، جیسا کہ وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍ کی تفسیر میں بہت سے مفسرین کرام نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بظاہر ان ایام کے محترم ہونے کے دو سبب معلوم ہوتے ہیں ـــــ اولاً: ان ایام میں خصوصیت کے ساتھ حجاج کرام اپنے وطنوں، ملکوں اور عزیزوں سے یکسو اور علیحدہ ہو کر ایک پاک اور مقدس مقام مکۃ اللہ میں جمع ہو کر پورے خلوص اور عقیدت کے ساتھ ربّ جلیل کی خدائیت اور یکتائیت کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں اور گویا احرام باندھ کر لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہہ کر نہ صرف الفاظ اور کلمات سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی کی یاد تازہ کرتے ہیں اور یہی پاک

جذبہ لے کر اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں — ثانیاً — ان ایام میں تمام خوش نصیب اور سعادت مند مسلمانانِ دنیا کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں روزہ داری، قربانی، تکبیراتِ تشریق اور دیگر پاکیزہ اعمال سے نہ صرف واحد القہار اور رب العالمین کی عظمت و بزرگی کا نعرہ بجاتے ہیں بلکہ سارے جہان کو صرف اسی کی عبودیت اور بندگی کی طرف دعوت دیتے ہیں، "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر ولله الحمد" چونکہ ان دونوں شعائرِ دینیہ یعنی حج و قربانی کا تعلق براہِ راست سیدنا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے اور ہمارے پیغمبر کریم حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلان فرمایا کہ میں حضرت ابراہیمؑ کی ملت اور طریقہ پر ہوں:

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا

اس لئے نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس برگزیدہ پیغمبر کی زندگی کے چند اہم واقعات قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ہدیۂ ناظرین کریں، کہ بہت ممکن ہے کہ حق تعالیٰ پڑھنے والے حضرات کے دلوں کو توحید و خدا پرستی اور خدمتِ قوم و قربانیٔ ملت کا وہی لطیف و اور پاک جذبہ عنایت فرمائے، جس کا مظاہرہ کسی وقت حضرت خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے

باپ اور اپنی قوم کے سامنے اور کبھی نہایت جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنے وقت کے مطلق العنان بادشاہ نمرود کے روبرو کیا تھا۔ " اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الحق حقًا وارزقنا اتباعہ "

عشق آوردہ خلیل اللہ ز آذر چہ عجب
یا صمد گوئے شود از تیشہ الا اللہ ما

اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پر سیر حاصل بحث کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے بلکہ ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان کی زندگی کے چند اہم واقعات پیش کریں گے تاکہ ان ایام میں ذکر کے ساتھ فکر کا سلسلہ اور قربانی کی ظاہری لذت کے ساتھ روحانی کیف و سرور بھی حاصل ہو جائے۔ رسالہ کے مضامین مندرجہ ذیل ہوں گے۔

- حضرت ابراہیمؑ کا سلسلہ نسب۔
- حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کا اجمالی تعارف۔
- حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کیا مناظرہ۔
- حضرت ابراہیمؑ کا بادشاہ وقت نمرود کے ساتھ مناظرہ اور اس میں حضرت ابراہیمؑ کی جیت اور نمرود کی ہار۔
- حضرت ابراہیمؑ کا رب العالمین کی رضا جوئی کے لیے آگ میں کود پڑنا، اور آگ کا خدا کے حکم سے اُن کے جسم پر کوئی اثر نہ کرنا۔
- حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت اور ہجرت میں پیش آنے والے واقعات

- حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کعبہ شریف۔
- حضرت ابراہیمؑ کے اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی، دین اسلام میں قربانی کی مشروعیت اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قربانی کی تفصیل۔
- قربانی کی حکمت، قربانی کے احکام اور عشرۂ ذوالحجہ کی فضیلت اور ایام تشریق کا بیان۔
- حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رب العزت کے حضور میں دعا اور اس کا اثر وغیرہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلہ نسب

تاریخ ابن ہشام جلد اوّل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح لکھا گیا ہے :

ابراہیم

بن (١) تارح آزر بن (٢) ناحور بن (٣) ساروغ

بن (٤) راعو بن (٥) فالخ بن (٦) عیبر

بن (٧) شالخ بن (٨) ارفخشد بن (٩) سام

بن (١٠) نوح بن (١١) لامک بن (١٢) متوشلخ

بن (١٣) اخنوخ (ادریس) بن (١٤) برد بن (١٥) مہلیل

بن (١٦) قینان بن (١٧) یانش بن (١٨) شیث بن آدم علیہ السلام

اس طرح حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان اٹھارہ واسطے ہیں، اور حضرت محمد رسول اللہ خاتم المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لیکر حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام تک مرقومہ ذیل تینتیس واسطے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

اس لحاظ حضرتِ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر تا حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام پچاس واسطے ہیں۔ ہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر عدنان تک جو سلسلے ہیں وہ اتفاقی ہیں اور ان میں کسی قسم کا تاریخی اختلاف نہیں' البتہ عدنان سے لیکر حضرت اسمٰعیل تک قدرے کچھ اختلاف ہے۔ نیاز مند نے اس بات پہ زیادہ تر اعتماد تاریخ ابن ہشام پر ہی کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مقدس زندگی کا اجمالی تعارف

اکثر علمائے تاریخ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام شہر "بابل" کے ایک قصبہ "کوثی" میں نمرود بن کنعان کے زمانۂ سلطنت میں تاریخ طوفان نوح کے ایک ہزار سات سو نو (۱۷۰۹) سال کے بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی جبینِ مبارک پر بچپن ہی کے زمانہ سے رشد و ہدایت دینداری و سعادت مندی کے آثار نمودار تھے۔ آپ نے قوم کی گمراہی دیکھ کر سب سے پہلے اپنے باپ تارح بن ناحور کے ساتھ بت پرستی کے خلاف سخت بحثیں اور مناظرے کئے اور عقلی دلائل و براہین سے اس کی تردید کی، اس پر ان کا باپ اور باپ کی ناعاقبت اندیش قوم نے غیظ و غضب اور دشمنی میں آکر آگ کا ایک بہت بڑا ڈھیر روشن کیا اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو بھڑکتی ہوئی آگ سے صحیح و سالم نکالا، آگ نے آپ پر کوئی اثر نہ کیا۔ اس قدر حیرت آفرین معجزہ دیکھنے کے باوجود آذر اور اس کی قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دست و گریباں ہو کر ان کی جانی دشمن ہو گئی۔ ان کی

دشمنی اور ایذاء رسانی کی مہم اس قدر تیز سے تیز تر ہو گئی کہ آپؑ کو اپنا خان مان چھوڑ کر حران کی طرف اور پھر وہاں سے شام و فلسطین کی جانب ہجرت کرنا پڑی۔ (خدائے تعالیٰ نے اس معاوضہ میں انہوں نے اس کی راہ میں آگ جلنا اختیار کیا) اور ملک و قوم اور خان مان کو اس کی رضا جوئی کے واسطے چھوڑا۔ ایسا بلند مرتبہ عطا کرنا چاہا کہ اس جیسا اور کسی کو حاصل نہ ہوا۔ اسی وجہ سے ان کو تمام اہل ادیان اس وقت تک تسلیم کرتے چلے آتے ہیں۔ سب سے پہلے ان کی قوت علمی و قوت فکری کا امتحان ہوا، یعنی بت پرستوں کے ساتھ مناظرہ و مجادلہ کا حکم فرمایا گیا۔ یہ کام انہوں نے پورے طور انجام دیا اور اس اہم مہم کو عمدہ طریقہ سے نبھایا!

مثلاً۔ **اوّلاً** : آفتاب و مہتاب اور دوسرے تاروں کو حدوث کی دلیل سے معبودیت کے دائرے سے باہر نکال پھینکا۔

ثانیاً : بتوں کو توڑ کر ان کا عاجز محض ہونا عالم میں آشکارا کیا۔ اور سیدھے سادھے خدا کے بندوں کو توہم پرستی سے حقیقت اور واقعیت کی طرف راہنمائی کی۔

ثالثاً : آتش پرستوں کو الزام دینے کے واسطے آگ کی طبعی تاثیر قوت الٰہیہ کے ساتھ بالکل ضائع کر ڈالی۔ پھر جب قوم [illegible] و اقارب سے علیحدگی اختیار کرنے میں آزمائش کی گئی، تو انہوں نے نہ صرف اپنی قوم اور مال و متاع اور عزت و آبرو بلکہ ہر ماسوی اللہ کو جدا کر کے خالص دوست اور

محبِ صادق کی شان کے لائق ہے کہ محبوبِ حقیقی کی خاطر سب کچھ چھوڑتا ہے، ترک کرکے ہجرت اختیار کی۔ اس کے بعد جب اُن کو حکم ہوا کہ اپنے سارے کام میں ہماری رضا میں تسلیم و تفویض کر دیں تو انہوں نے نہایت خوشی اور پوری مسرت کے ساتھ اپنے خان ماں کو رضائے الٰہی میں پامال کر ڈالا۔ جیسا کہ پیارے وطن سے ہجرت کرتے وقت اور فرزند دلبند کے متعلق ذبح کا حکم ملتے وقت ان سے صادر ہوا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ آدمی کو دُنیا کی تمام چیزوں میں سب سے زیادہ چار ہی چیزیں زیادہ عزیز اور مرغوب خاطر ہوتی ہیں:

۱۔ جان ۲۔ مال ۳۔ فرزند ۴۔ وطن — اور جب کوئی رضائے مولا میں ان چار چیزوں کو قربان کر ڈالے تو دیکھنا چاہیئے کہ اس کا مرتبہ محلت، دوستی، عظمت برتری کہاں تک پہنچی ہے، تو اس اعتبار سے اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ میں غور و فکر کیا جائے جو انہوں نے اپنے عزیز فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہما السلام کے ساتھ صرف حکمِ خدا کی تعمیل کے واسطے کیا تھا، غور کیا جائے تو طاقت بشری اور انسانی قوت سے خارج معلوم ہوتا ہے بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اپنے شیر خوار ننھے سے معصوم بچے کو اس کی ماں کے ساتھ عرب کے سنگستان اور

چٹیل میدان میں جہاں کوسوں تک آبادی کا نام و نشان نہ ہو، آب و دانہ ڈھونڈنے سے نہ ملے، کسی رفیق و غمگسار اور یار و مددگار کا وجود نہ ہو، جنگلوں اور لق و دق صحرا کے علاوہ کوئی انیس نہ ہو۔ محض رضائے مولا کی تلاش اور جستجو میں چھوڑ آئے پھر اسی پر کفایت نہ کی بلکہ اس کے بعد بھی انہوں نے محبت الٰہی میں اپنے جسم و بدن کو ختنہ کے ذریعہ داغدار کیا۔ ختنہ فعل شہوت رذیلہ بہیمہ ہے۔ حکم الٰہی پاتے ہی ننانوے ۹۹ سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا۔ اسی طرح اور بہت سے امتحانات اور آزمائشیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوئیں جو انہوں نے پورے کیں ان تمام امتحانات کے عوض رب العالمین نے ان کو نیکوکاروں اور پرہیزگاروں، خدا پرستوں اور تقویٰ شعاروں کا قیامت تک امام اور پیشوا بنایا اور دنیا کے انسانوں کو آسمانی کتابوں اور الہامی صحیفوں میں تنبیہ کی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی پیروی ہدایت و دینداری کی دلیل ہے اور آپ کی نافرمانی مخالفت و عدوان و گمراہی کی واضح علامت اور کھلی نشانی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی پر تفصیلی بحث اور آپ کا سب سے پہلے اپنے باپ سے مناظرہ

"وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا

آلِهَةً اِنِّیْ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔“
(انعام۔ رکوع ۸)

ترجمہ :۔ ”وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے، کہ جب ابراہیم ؑ نے اپنے باپ آذر سے فرمایا، کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے۔ بیشک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں۔“

اس مضمون کو اور وسعت کے ساتھ سورۂ شعراء میں اس طرح فرمایا:

”واتل علیھم نبأ ابراھیم اذ قال لابیہ ماتعبدون قالوا نعبد اصناما فنظل لھا عاکفین قال ھل یسمعونکم اذ تدعون او ینفعونکم او یضرون قالوا بل وجدنا اٰباءنا کذالک یفعلون قال افرءیتم ماکنتم تعبدون انتم واٰباءکم الاقدمون فانھم عدو لی الا رب العٰلمین۔“

ترجمہ :۔ آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم کا قصہ بیان کیجیئے، جب کہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: کہ ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان ہی کی عبادت پر جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابراہیم نے جواب دیا اور کہا کہ کیا یہ (بت) تمہاری سنتے ہیں، جب تم ان (بت) کو پکارتے

ہو؟ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان کی عبادت ان چیزوں کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے فرمایا: کیا تم نے غور سے دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو، تم بھی اور تمہارے اگلے بزرگ بھی میرے دشمن ہیں مگر ہاں سوائے رب العالمین۔"

حق تعالیٰ اس مضمون کو مزید اہتمام کے ساتھ سورۂ انبیاء میں اس طرح بیان فرماتا ہے:

"وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ۔ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔"

ترجمہ:۔ اور ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو دانائی عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ وہ وقت قابل ذکر ہے جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی برادری سے فرمایا: یہ کیا مورتیں ہیں؟ جن کی عبادت پر تم جمے بیٹھے ہو۔ وہ لوگ جواب میں کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے دیکھا۔ ابراہیم نے فرمایا: بے شک تم اور تمہارے باپ دادا ان کو عبادت کے لائق سمجھنے میں کھلی

غلطی ہیں ہیں۔"

تشریح:- حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر بابل یا اہوآز کے رہنے والے تھے۔ اس زمانہ میں صابیوں کا مذہب مروج تھا۔ یہ فرقہ چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش کیا کرتا تھا۔ خاص بابل میں ان کا ایک عالیشان مندر تھا، جس کی بلندی اور دیگر عمارات کا حال سنکر حیرت ہوتی ہے۔ اس قوم کے رگ و ریشہ میں بتوں کی محبت پیوستہ ہوگئی تھی۔ یہ تو حال تھا اس قوم کا ۔۔۔ رہا ان کا بادشاہ وہ تو خود خدا بن بیٹھا تھا، اور لوگوں سے سجدے کرواتا تھا۔ وہ دُنیا کے چار عظیم الیشان بادشاہوں میں سے ایک تھا (یعنی نمرود بن کنعان) ۔۔۔ غرض اس قوم کے عوام و خواص سب ہی گمراہ تھے، بلکہ اس قوم کا بادشاہ کفر کے لحاظ سے عوام سے بھی بہت زیادہ گمراہ تھا اسی وقت میں اللہ تعالیٰ ۔ جد الانبیاء حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی طرف مبعوث فرماتا ہے۔ حضرت ابراہیم ؑ کو حق تعالیٰ نے فہم و فراست اور رشد و ہدایت سے آغاز عمر ہی سے مشرف فرمایا تھا۔ بچپن ہی میں ان کی مہ جبین پر توحید و خدا پرستی کے آثار نمودار تھے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بحیثیت پیغمبر یا بحیثیت موحد و مسلمان قوم کی یہ ابتر حالت دیکھ کر کس طرح خاموش رہتے اور وہ کس طرح دین الٰہی سے کنارہ کش

اور پرستی اختیار کرتے۔ ان کو شروع ہی سے ستارہ پرستی، آفتاب اور مہتاب پرستی، اصنام و تماثیل اور ماسوی اللہ سے بیزاری تھی۔ انہوں نے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے قواعد فطریہ کے تحت سب سے پہلے اپنے باپ اور اس کی تبعیت میں اپنی قوم اور برادری کے افراد سے بت پرستی اور ستارہ پرستی کے خلاف بحث و مباحثے اور مناظرے کیے۔ دلائل و براہین اور مشاہدات سے اپنے باپ اور اپنی قوم کو ان کی غلطی اور ان کی گمراہی واضح کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکرر اور بار بار ان سے دلیل مانگی مگر وہ لوگ تو یہی کہتے رہے کہ ہمارے پیشرو اور اگلے لوگ بت پرستی کرتے تھے اور ہم ان کے طریقہ کار کو کیسے چھوڑیں گے؟ مگر دنیا جانتی ہے کہ یہ ان کی طرف سے کوئی معقول اور پسندیدہ جواب نہ تھا۔ ابتدا میں آزر اور اس کی قوم نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بت پرستی سے نفرت اور بیزاری دیکھی تو ان کو خیال آیا کہ شاید حضرت ابراہیمؑ دل لگی اور مذاق کرتے ہیں:

"قَالُوْا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ" کہا کہ تم سچ کہتے ہو یا یونہی کھیل اور دل لگی کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! میں سچ اور حقیقت کہتا ہوں۔ "قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ"

بلکہ تمہارا رب آسمان اور زمین کا رب ہے کہ جس نے ان چیزوں کو بنایا ہے اور میں بھی اسی کا گواہ ہوں۔" اب انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بتوں کی عظمت اور بڑائی بیان کرنا شروع کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "تاللّٰہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین" میں تمہارے میلہ میں جانے کے بعد تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا، جس سے تم پر تمہارے دعاوی اور توہم پرستی کی حقیقت کھل جائیگی۔

اوپر آچکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم جس طرح بت پرست تھی، اسی طرح وہ کواکب اور ستارہ پرستی میں بھی مبتلا تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسانوں کا مرنا جینا ان کا رزق، خیر و شر اور نفع و نقصان، شادابی و خوشحالی گرانی و قحط سالی، کامیابی و ناکامی، فتح و نصرت، اقبال و ادبار، ترقی و تنزل اور عالم کا انتظام و انصرام کواکب اور ستاروں کے ماتحت قائم ہے۔ اس لئے ان کی خوشنودی نہایت مقدم اور ضروری ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا تبلیغی مشن آگے بڑھاتے ہوئے ان کے معبودان باطل کو ان کے معبودان علوی کی حقیقت بھی ان کو ذہن نشین کرانے کے سامنے آشکارا کی۔ اس کی بحث سورۂ انعام کی ان آیات مبارکہ میں مذکور ہے:

"وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت و...

والارض ولیکون من الموقنین فلما جن علیہ اللیل
راکوکبا قال ھذا ربی فلما افل قال لا احب الافلین
فلما را القمر بازغا قال ھذا ربی فلما افل قال
لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین۔ فلما
را الشمس بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر فلما افلت
قال یاقوم انی بری مما تشرکون۔ انی وجھت
وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من
المشرکین وحاجہ قومہ قال اتحاجونی فی اللہ و
قد ھدین ولا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشاء
ربی شیأ وسع ربی کل شئ علما افلا تتذکرون۔"

(ترجمہ): اور ہم نے ایسے ہی پورے طور پر ابراہیمؑ کو بچشم معرفت
آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھائے تاکہ وہ یقین کرنے والوں
میں سے ہو جائے۔ پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے
ایک ستارہ دیکھا۔ آپ نے فرمایا: یہ تمہارے زعم کے موافق میرا
رب ہے۔ سو جب وہ غروب ہوا تو آپ نے فرمایا: میں غروب ہو جانے
والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو
فرمایا کہ تمہارے زعم کے مطابق میرا رب ہے۔ جب وہ بھی غروب ہوا تو

آپ نے فرمایا: کہ اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا ہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا: کہ تمہارے زعم کے موافق یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے۔ جب وہ بھی غروب ہوا تو آپ نے فرمایا: "اے لوگوں! بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں اور میں اپنا رُخ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور میں تمہاری طرح شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ـــ" اور پھر ان کی قوم نے اُن سے کج بحثی کی۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے ان کو فرمایا: کہ کیا تم اللہ کے بارے میں میرے ساتھ کج بحثی کرتے ہو، حالانکہ اُس نے مجھے سیدھا راستہ دکھایا اور میں ان چیزوں سے نہیں ڈرتا جن کو تم خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ لیکن میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے۔

"وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ ۝ وَتِلْكَ

حُجَّتُنَا آتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۔
(سورۃ الانعام)

ترجمہ :- اور میں ایسی چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے۔ حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے ہو کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کیا جن کی سچائی پر خدا تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ تو ان دو جماعتوں میں سے اس کا مستحق کون ہے؟ اگر تم واقفیت رکھتے ہو تو بتلاؤ کہ لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے ایسے ہی لوگوں کے لئے قیامت کے دن امن ہے اور وہی ہدایت پر ہیں اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں علمی و عملی مرتبوں میں بڑھاتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا اور بڑا علم والا ہے۔

آیات بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اجرام علوی اور ستارہ پرستی کی تردید میں اپنی قوم کے سامنے ان چیزوں کو خالقیت اور الوہیت کے درجہ سے باہر نکال کر ان کا حادث اور مخلوق محض ہونا واضح کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک روشن شب میں ان کے ساتھ اس مضمون پر باتیں ہوئیں اور ستارے خوب چمک رہے تھے۔ ایک

ستارہ نہایت روشن تھا۔ فرمایا: یہ تارا میرا پروردگار ہے، معاذاللہ! اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ واقع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس روشن تارے کو پروردگار قرار دیا، بلکہ مخاطبین اور اپنی ناشناس قوم پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ستاروں میں خدائیت اور ربوبیت ہو سکتی ہے۔ تو چونکہ یہ تارہ زیادہ روشن اور دوسرے ستاروں سے بہت ممتاز ہے اسلئے یہی میرا رب اور خدا ہو سکتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے مقررہ وقت پر دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوا اور عام نظروں سے دور ہوا تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کہ میں چھپ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر تھوڑی دیر بعد چاند نمودار ہوا، دیکھا تو یہ نہایت ضوء فشانی کر رہا ہے اور اپنے بے پناہ نور سے ساری فضا اور زمین کو منور کر رہا ہے۔ فرمایا: یہ میرا رب ہے یعنی اگر ان ستاروں میں خدا ہونے کی صلاحیت اور قابلیت ہوتی تو تب چاند ہی میرا رب ہو سکتا ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اول ہی سے نیک آشنا ہے کہ چاند وغیرہ مخلوق محض اور حادث ہیں، صرف مخاطبین کو سمجھاتے ہیں اور ان سب کا حادث ہونا ان پر ظاہر کرتے ہیں ـــ غرض اب رفتہ رفتہ رات بھی زوال پذیر ہونے لگی اور صبح کا وقت قریب ہونے لگا اور چاند کی روشنی ماند پڑنے لگی۔ تب فرمایا: میرا

پروردگار میری ہدایت اور راہنمائی نہ کرتا تو میں بھی گمراہ
جماعت میں شامل ہو جاتا۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ
نے چاند سے بھی اپنی براءت کی۔ اب آفتاب عالمتاب
جلوہ فگن ہوا، تو دیکھا یہ تمام ستاروں سے زیادہ نورانی
ہے، فرمایا: یہی میرا ربّ ہے یہ ان سب سے بڑا ہے۔
مگر جب وہ بھی شام ہوتے ہی غروب ہوا تو اتمام حجت اور
ان چیزوں کی حقیقت منکشف کرنے کے بعد فرمایا: کہ
اے لوگو! میں تمام توہم پرستی سے بری ہوں اور میں
صرف ایک لازوال اور لاشریک ربّ العالمین کا ماننے
والا اور بندگی کرنے والا ہوں۔ اس لطیف پیرایہ اور
بہترین سلسلۂ تبلیغ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
اپنی قوم پر ان کی سفلی اور علوی باطل معبودوں کی
حکیمانہ ردّ و قدح کی اور ان کی قلعی کھول دی۔ مگر پھر بھی
یہ بدنصیب قوم اپنی جہالت اور نادانی کو رخصت کرنے
کے لئے تیار نہیں ہوئی بلکہ [illegible] حضرت ابراہیم علیہ السلام
کو بھی اپنا ہم خیال بنانے کی فکر میں رہی۔ چنانچہ ایک دن
حسبِ عادت اس قوم کو ایک اجتماع اور ایک میلہ میں شریک
ہونا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ بھی ہمارے
ساتھ چلئے اور میلہ میں شرکت کیجئے۔ آپ نے اس میں
شریک ہونے سے انکار کیا۔ جب لوگوں نے حد سے زیادہ
اصرار کیا: "فنظر نظرة في النجوم فقال اني سقيم"
(الصافات)

ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف ایک نگاہ کی اور فرمانے لگے: "میں کچھ بیمار سا ہوں، لہٰذا میں تمہارے میلے میں شریک نہیں ہو سکتا۔" وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے اور اپنے قومی میلہ میں مصروف ہوئے اور شہر میں صرف حضرتِ ابراہیم علیہ السلام رہ گئے اب تو ان کو اپنے دلائل اور براہین کو مشاہدے کی شکل پیش کرنے کا خوب موقع ہاتھ آیا، چنانچہ فوراً ان کے بتخانہ میں گھس گئے: "فراغ الی الھتھم فقال الا تاکلون مالکم لا تنطقون فراغ علیھم ضربا بالیمین" (الصافات)۔ پس (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) ان کے بتوں میں چپکے سے گھسا اور ان کے دیوتاؤں سے کہنے لگا۔ کیوں نہیں کھاتے تم کیا ہو گیا تم کو؟ کیوں نہیں بولتے۔؟ پھر دائیں ہاتھ سے ان سب کو توڑ ڈالا:

"فجعلھم جذاذا الا کبیرا لھم لعلھم الیہ یرجعون" (انبیاء) پس ان کے ٹکڑے کر دئے مگر ان میں سے سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق اس کی طرف رجوع کریں اور دیکھیں کہ یہ کیا ہو گیا۔ ادھر سے وہ لوگ اپنے میلہ سے واپس ہوئے تو مندر میں بتوں کا یہ دیکھکر حیران ہو گئے کہ یہ کیا ہو گیا، اور کس نے ایسی سخت حرکت کی۔ جب ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے واقفیت رکھنے والے

لوگوں نے کہا: یہ تو اسی جوان کا کام ہے جس کا نام ابراہیم (علیہ السلام) ہے، وہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے: "قَالُوا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ. قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ" کہنے لگے یہ حال ہمارے خداؤں کے ساتھ کس نے کیا۔ بیشک وہ بڑا ظالم ہے۔ ان میں سے بعض کہنے لگے ہم نے ان بتوں کی مذمت ایک جوان سے سنی ہے۔ اس کو ابراہیم (علیہ السلام) کہا جاتا ہے تو یہ کام اسی کا ہوگا۔ لوگوں کے بیان سے بت پرستوں کا سرداروں اور سرداروں کی صف میں کھلبلی مچ گئی، اور کہا کہ اسے تمام لوگوں کے سامنے حاضر کیا جائے اور حقیقت حال اچھی طرح دریافت کی جائے: "قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ. قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ" (انبیاء) انہوں نے کہا ابراہیم (علیہ السلام) کو لوگوں کے سامنے لاؤ... وہ گواہی دیں۔ انہوں نے کہا: اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تم نے یہ حرکت ہمارے بتوں کے ساتھ کی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ضرور یہ حرکت کسی کرنے والے نے کی ہے۔ ان کا بڑا (بت) موجود ہے ادھر ادھر پوچھنے اور دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان ہی سے پوچھو، اگر ان کو بولنے کی سکت ہے،

پھر انہوں نے اپنے جی میں سوچا اور اپنے نفوس کو مخاطب کر کے کہا: بے شک تم ہی ظالم ہو۔ بعد ازاں اپنے سروں کو نیچے جھکا کر کہنے لگے۔ اے ابراہیمؑ! تم اچھی طرح یہ بات جانتے ہو کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے اس جواب پر نصیحت فرمائی اور ان کی مشرکانہ حرکات کی مذمت اور ملامت کی۔ اس سلسلہ میں سورۂ انبیاء کی یہ آیت ملاحظہ فرمایئے:

"اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔"

کیا تم خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کی بندگی کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ افسوس ہے تم پر اور ان معبودوں پر جن کی تم خدا کے سوا پوجا پاٹ کرتے ہو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

اور سورہ صافات کی اس آیت میں یہ نصیحت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: "قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔" کیا جن بتوں کو تم اپنے ہاتھ سے گھڑتے ہو پھر ان ہی کی عبادت کرتے ہو حالانکہ خدا نے ہی تم کو اور تمہارے کاموں کو پیدا کیا ہے۔

افسوس! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان حکیمانہ نصیحتوں اور فطری دلائل و براہین سے جاننے کے باوجود

یہ لوگ اور الجھ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرانے دھمکانے لگے بات بڑھتے بڑھتے نمرود تک پہنچ گئی

حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کا مناظرہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شاندار کامیابی

جب زیادہ فتنہ اور فساد ہونے لگا تو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کے پاس لے گئے۔ نمرود نے ایک متکبرانہ تبسم اور مسکراہٹ کے ساتھ آپ سے کہا: اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے ہمارے بتوں کے ساتھ سخت بے عزتی کی اور ان کی جناب گستاخانہ کاروائی برتی اور ان کی عزت و آبرو خاک میں ملا دی، بھلا بتاؤ تو سہی تمہارا معبود کون ہے؟ یہ کہہ کر مناظرہ شروع کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس احمق اور متکبر کے جواب میں فرمایا: اگر تم میرے معبود برحق کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے، تو سن لو میرا معبود برحق وہ قادر مختار خدا ہے جو اپنی پوری قدرت و طاقت کے ساتھ ہر ایک جاندار کو زندہ کرتا اور عدم اور نیست سے وجود میں لاتا ہے اور جب اس کی زندگی کا پیمانہ

لبریز ہو جاتا ہے تو موت اور دارِ فنا سے دارِ بقا میں لے جاتا ہے۔ کیونکہ دُنیا میں جہاں سے جہاں تک چیزیں نظر آتی ہیں نہ خود بخود حادث اور معدوم نہیں ہو سکتیں، غور کرو نہ کوئی ایسی مخفی طاقت اور کارساز ہے جو آناً اور فاناً اور وقتاً اور فوقتاً انہیں ایجاد کا لباس مرحمت کرتا ہے۔ یعنی یہ تمام حرکات اور افعال بغیر فاعل و کارساز کے نہیں ہو سکتیں۔ بس وہی زندگی اور موت عطا کرنے والا معبود میرا خدا اور پروردگار ہے۔" یہ حکیمانہ اور فلسفیانہ جواب سن کر وہ احمق بولا: "ابراہیم (علیہ السلام)! میں بھی تو یہ کام کر سکتا ہوں، زندہ کو مارنے اور مردہ کو زندہ کرنے پر مجھے بھی پورا اختیار ہے۔" چنانچہ اس سرکش نے قیدخانہ سے دو ایسے قیدیوں کو بلایا جن میں سے ایک واجبُ القتل اور دوسرا واجبُ الرحم تھا۔ پھر اس (نمرود) نے واجبُ القتل قیدی کی جان بخشی کی، اور واجبُ الرحم قیدی کو مار ڈالا کہا: "دیکھو ابراہیمؑ! میں نے بھی مردہ کو زندہ کیا، اور زندہ کو مار ڈالا۔" اس کا یہ جواب سُنکر حضرت ابراہیم علیہ السلام تاڑ گئے کہ نمرود اتنا احمق اور غبی ہے کہ حقیقت اور مجاز کے درمیان فرق کرنا جانتا ہی نہیں اور موت اور حیات کے معنی سے بھی بے بہرہ

ہے یا جان بوجھ کر لفظی مجادلہ اور مکابرہ میں پڑ کر
جاہل اور نادان قوم کو مغالطہ میں ڈال دینا چاہتا
ہے۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ ایک ایسی دلیل اس کے
سامنے پیش کرنی چاہیئے جو مشاہدہ اور رویت پر
موقوف ہو اور جس میں زیادہ چون وچرا نہ کر سکے
اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دلیل کی طرف رجوع
کرتے ہوئے فرمایا: اے نمرود! میرا پروردگار ہر دن صبح کے
وقت سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور اگر تجھے ربوبیت اور
خدائیت کا دعویٰ ہے تو تم اسے مغرب سے نکال لاؤ کیونکہ
جسے مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ کرنے کی قدرت ہوگی
اسے سورج کو مسخر اور اپنے منشا کے مطابق چلانے پر بھی
قدرت ہوگی۔ نمرود، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب
سُنکر مبہوت اور حیران ہو کر رہ گیا اور کوئی جواب اس
سے بن نہ آیا۔

اس مقام پر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ نمرود پھر بھی
حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہہ سکتا تھا کہ اچھا آپ ہی
اپنے خدا سے کہیئے کہ وہ آفتاب کو مغرب کی طرف سے نمودار
کرے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ سوال کیوں نہیں
کیا؟ اگر نمرود یہ سوال کرتا تو حضرت ابراہیمؑ اس کا کیا
جواب دیتے ___ اس کا جواب یہ ہے: کہ نمرود نے
اسلئے یہ سوال نہیں کیا کہ اس کے دل پر حضرت ابراہیمؑ

کی مسیحائی اور حقیقت شناسی کیا ایسا زبردست اثر پڑا کہ وہ سمجھ گیا کہ میں حضرت ابراہیمؑ سے ایسا سوال کروں گا تو ابراہیم علیہ السلام مستجاب الدعوات ہیں وہ دعا کے ذریعہ خدائے قیوم و برتر سے ضرور آفتاب مغرب کی طرف سے نمودار کرائے گا تو اس وقت ایسا زبردست انقلاب آئے گا کہ نہ سلطنت رہے گی اور نہ ملک اور نہ دنیا کا امن و امان قائم رہے گا۔ اس لئے اس نے اسی میں اپنی خیریت سمجھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مزید علمی اور عقلی بحث و مناظرہ ہی نہ کیا جائے ورنہ عزت ہی برباد ہو جائے گی اور بادشاہی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس مناظرہ کا ذکر یوں اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞" (البقرہ)

"کیا تم اس شخص کی طرف نہیں دیکھتے جس نے ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ اس کے معبود کے

بارے میں جھگڑا کیا اس لیئے کہ خدا نے اسے ملک بخشا تھا۔ جب کہ ابراہیمؑ نے اسے کہا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو (مردے کو) زندہ کرتا ہے اور (زندہ کو) مار ڈالتا ہے۔ اُس (نمرود) نے کہا میں بھی تو (مردہ کو) زندہ اور (زندہ کو) مار ڈال سکتا ہوں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: میرا معبود وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکال لاتا ہے (اگر تجھے قدرت ہے) تو تم اسے (سورج کو) مغرب سے نکال لاؤ۔ یہ سُن کر وہ کافر (نمرود) حیران ہو کر رہ گیا۔ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔"

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے موضح القرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمرود کے ساتھ مناظرہ کرنے کی ابتداء اس طرح شروع کی ہے کہ نمرود اپنے آپ کو سجدہ کرواتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو نمرود نے سوال کیا: کہ تم سجدہ کیوں نہیں کرتا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میں صرف رب العالمین کو سجدہ کرتا ہوں۔ تو پھر مناظرہ بالا کا سلسلہ شروع ہوا۔

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا اس وقت بابل میں چاروں طرف قحط پھیلا ہوا تھا۔

نمرود نے اپنے پاس غلّہ جمع کر رکھا تھا، اور ہر شخص کو اپنے پاس سے (غلّہ) دیا کرتا تھا۔ لوگ اس کے پاس آکر لے جاتے تھے ـــ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے پاس غلّہ لینے کے لئے گئے مگر جب بھرے دربار میں نمرود سے مناظرہ کر کے اسے زبردست شکست دے دی تو اس نے آپؑ کو غلہ نہ دیا۔ آپؑ خالی ہاتھ گھر واپس آئے۔ جب مکان کے قریب پہنچے تو ایک ٹیلے سے تھوڑی سی ریت لیکر خرجی میں اس خیال سے ڈالی کہ گھر والوں کو اس سے بہلا دوں گا۔ گھر پہنچکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ بوجھ اُتارا۔ چونکہ راستے کی تھکان نے شدت اور کمزور کر دیا تھا اس لئے شب کو یوں ہی پڑ کر سو گئے۔ گھر والوں نے جونہی اس بوجھ کو کھولا تو اس میں نہایت عمدہ اور بہترین غلّہ دیکھا۔ اس میں سے تھوڑا سا غلہ نکال کر کھانا پکایا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے تو ان کے سامنے کھانا پیش کیا گیا، فرمایا: یہ کہاں سے تمہارے پاس آیا؟ انھوں نے کہا: یہ تو اسی غلّہ سے پکایا گیا جو آپؑ لے آئے ہیں۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ مائدہ غیبی اور رزق الٰہی ہے۔

آہ! افسوس!! آج کل تو حقیقی نمرود بہت ہیں مگر ابراہیم علیہ السلام جیسا موحّد اور خدا پرست نہیں

فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ۔

علمائے کرام کو اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے کے بعد ہوا یا اس سے پہلے۔ مگر اکثر علمائے کا یہی خیال ہے کہ یہ مناظرہ آگ سے پہلے کا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تبلیغ حق کی دعوت اپنے باپ آذر سے شروع کی تھی، پھر یہ دعوت نہ صرف تمام جمہور تک پہنچی بلکہ بادشاہ کے ساتھ بھی مباحثہ ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقلی اور منطقی دلائل سے سب کو شکست دی۔ اب مخالفوں کے پاس ان کے قائل کرنے کا کوئی طریقہ نہ رہا۔ اگرچہ ان کے دلوں پر اس دعوت کا زبردست اثر پڑا لیکن انہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی تھی اور غلط تقلید نے ان کی عقلوں اور دماغوں کو مفلوج بنا رکھا تھا۔ اس لئے انہوں نے مادی اور طاغوتی طاقت سے حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو ہرانا اور مغلوب کرنا چاہا؛ اس لئے انہوں نے پورے اتحاد و اتفاق کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے زعم باطل میں ایک بہت بڑا مجرم قرار دیا اور اپنی اس منصوبہ کے تحت مسلسل کئی روز شعلہ مارنے والی اور دہکتی آگ تیار کی وہ بھی اس زور و شور سے کہ اس آگ میں

لکڑیاں ڈالنا باعثِ اجر و ثواب جانتے تھے۔ جس وقت ان کو پورا یقین اور اطمینان حاصل ہوا کہ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس آگ سے نجات پانا قطعاً ناممکن ہے تو انہوں نے اس سچے سولہ سالہ موحّد اور بندۂ خدا حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو گوپھن میں بٹھا کر آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا اور اپنے خیال میں ظالموں اور جاہلوں نے چاہا کہ خداے قادر کائنات کی زمین پر ایک بھی سچ کہنے والے شخص کو زندہ نہیں رکھا جا سکتا۔ مگر "دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست"۔

غرض جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے قریب ہوئے تو آسمان، زمین اور پہاڑوں میں ایک کہرام مچ گیا۔ فرشتوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ، اے خدا! دنیا میں ایک ہی پرستار اور پوجنے والا تھا: "خلیلک یلقیٰ فی النارِ لیس احدٌ یعبدک الّا غیرہٗ"۔ اے خدا، آپ کا دوست آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ وہ تمہارا دوست ہے کہ جس کے سوا زمین پر تمہاری کوئی عبادت نہیں کرتا۔ مہربان خدا نے التجا کرنے والے فرشتوں سے فرمایا: جاؤ اگر تم ان کی مدد کرنا چاہتے ہو تو کرو، مگر پہلے تو پھر بھی دیکھو کہ وہ تمہاری امداد لینے کو تیار ہیں؟

یہ حکم سنتے ہی بہت سے ملائکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ سب سے پہلے پانی کا موکل فرشتہ سامنے آیا اور عرض کیا: کہ "حضرت! میں آپ کے اشارے کا منتظر ہوں، فرمایئے تو ابھی اس آگ پر پانی کے خزانے جو میرے اختیار میں ہیں، ڈالتا ہوں۔" مگر سچے متوکل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس فرشتہ کی طرف سے منہ پھیرا۔ فوراً ہوا کا موکل فرشتہ حاضر ہوا اور کہا: اے ابراہیمؑ! اشارہ کیجئے ابھی آندھی چلا کر ساری آگ اڑا دوں۔" خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی طرف بھی کوئی توجہ نہ کی اور فرمایا: لَاحَاجَةَ لِیْ اِلَیْکُمْ، مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں۔ اتنے میں معاملہ کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا، کہ اے ابراہیمؑ! "کوئی حاجت تو نہیں ہے۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "بندہ تو حاجتوں کا ہی ہوتا ہے، مگر آپ کی طرف کوئی حاجت نہیں، میں محتاج تو ضرور ہوں لیکن صرف ایک رب العالمین کی طرف جس کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے اس شعلہ مارنے والی آگ میں جلنا چاہتا ہوں۔" حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے کہا: "اے ابراہیم (علیہ السلام)! اگر غیر سے مدد نہیں لیتے تو اسی مولیٰ سے طلب کرو۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

فرمایا: "حسبی سوالی علمہ بحالی۔" وہ میرے حال کو خوب جانتا ہے اس لئے مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"
پھر فرمایا: اے جبرئیل! مَنْ اَوْقَدَ النَّارَ قَالَ نمرود قَالَ وَمَنْ حکم بذالک قال الجلیل "پھر آگ کس نے جلائی ہے" کہا نمرود نے۔ کہا کس کی خواہش اور حکم سے، کہا رب الجلیل کے حکم سے۔ فرمایا چلو، فالخلیل راضی بما یرید الجلیل "خلیل خدا کے حکم اور منشاء پر خوش و راضی ہے۔" اے جبرئیل! "تم ہٹ جاؤ مجھے جلنے دو دیکھیں یہ آگ خلیل کو جلاتی ہے۔ یا خلیل اس آگ کو عشق کی آگ میں جلاتا ہے۔ ع

عشق آتشیست کہ آتش دوزخ خدا اوست

حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: اے ابراہیم آج میں آپ کے عشق کی حالت و کیفیت لکھوں گا۔ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے: "کس شے پر لکھوگے اگر پہاڑ پر لکھوگے تو وہ جل جائیگا، اور اگر لوہے پر لکھوگے تو لوہا پگھل جائے گا"۔ "انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جہولا۔"
یہ داستان عشق تو سوائے خلیل (علیہ السلام) کے

دل کے دوسری جگہ نہیں لکھی جا سکتی۔ ؎

من نہ گنجم در زمین و آسمان
لیک گنجم در قلوبِ مومنان

اے جبرئیلؑ! ہٹ جاؤ، فراق اور جدائی میں میری جان نکل جاتی ہے۔ آج ربِّ جلیل نے بندۂ خلیل کو آگ کے اندر دیدار و ملاقات کا وعدہ دیا ہے۔ یہ کہنا تھا کہ تنہا نارِ نمرود میں ڈالے گئے۔ اِدھر سے آگ کو حکمِ الٰہی ہوا۔ "اے آگ! ٹھنڈی ہو جاؤ اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے سراپا سلامت بن۔" اللہ اکبر! وہ آندھی جلتی ہوئی لکڑیاں گلاب اور چنبیلی کے درختوں کا روپ دھار گئیں۔ آب شیریں کی نہریں بہنے لگیں، چالیس دن تک آپؑ اس آگ میں رہے۔ اس آگ میں اتنا سرور و آرام پایا کہ [illegible] فرماتے تھے کہ کبھی آگ کے باہر وہ آرام نصیب نہ ہوا جو آرام آگ میں قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ آخر میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام جنت سے ایک پارچہ لائے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ "اے ابراہیم (علیہ السلام)! دیکھ لے کہ آگ ہمارے پیارے، مخلص اور تقویٰ شعار بندوں کو جلا نہیں سکتی۔"

جب نمرود نے بالا خانہ سے دیکھا کہ حضرت ابراہیم

صحیح و سالم اس میں بیٹھے ہیں تو اس نے چلا کر کہا: اے ابراہیمؑ! بے شک تمہارا خدا قدرت والا ہے، جس نے آپؑ کو آگ میں جلنے نہیں دیا۔ میں بھی تمہارے خدا کے نام کی قربانی کروں گا۔ اس طرح آذر اور اس کے حواری خدا کی قدرت کے قائل تو ہو گئے مگر ایمان نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان عبرت بھرے واقعہ کو سورۂ انبیاء کی ان آیتوں میں پورے اعجاز کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

"قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین قلنا یا نار کونی بردًا وسلامًا علی ابراھیم واراد وا بہ کیدًا فجعلنھم الاخسرین۔"

وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کا بدلہ لو۔ اگر تم کو کچھ کرنا ہے۔ ہم نے حکم دیا ہے کہ اے آگ! تم ٹھنڈی اور بے گزند ہو جاؤ ابراہیمؑ کے حق میں اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنی چاہی تو ہم نے ان ہی لوگوں کو ناکام بنا دیا۔

اس مقام پر سطحی نگاہ رکھنے والے حضرات دو اہم سوال پیش کرتے ہیں:۔

پہلا سوال:۔ آگ جماد اور بے جان چیز ہے۔ جس میں عقل، شعور، فہم اور ادراک کچھ بھی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز کی طرف کس طرح خطاب فرمایا کیونکہ خطاب اور حکم صاحب فہم و شعور کی طرف ہی کیا جاتا ہے۔

دوسرا سوال :۔ جلانا آگ کے لوازم ذاتیہ اور صفات خصوصیہ سے ہے۔ یہ صفت اس سے کس طرح منفک ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ماہیت اور حقیقت سے اس کے بعض اجزائے ذاتیہ کا جدا ہونا از قبیلۂ محالات ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک ہولناک آگ سے صحیح و سلامت نکلنا اور آگ کا بحیثیت آگ کے اُن پر اثر نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اب ان کے مختصر جوابات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

جواب سوال نمبر ۱ ـــ واقعی آگ اور باقی عناصر ہمارے علم و عقل کے اعتبار سے جماد اور بے جان ہیں اور اس لحاظ سے انہیں عقل و شعور نہیں ہے۔ تاہم یہ بھی مخلوق الٰہی ہیں۔ خالق اشیاء خدا نے ان کو بھی فیضان وجود سے نوازا ہے اور انہیں بھی تاثیر اور خواص کا اثر مرحمت کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان کو بھی اپنے خالق و مالک کے ساتھ خاص نسبت ہے گو ہم اُن کی لطافت و بساطت کی وجہ سے اس کا احساس و ادراک نہیں کر سکتے، لیکن یہ ضروری اپنے پیدا کرنے والے اور تاثیر و خواص بخشنے والے ربّ الارباب کو خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔ لہٰذا حق تعالٰی کا ہر قسم کی اشیاء کی طرف خطاب کرنا درست اور حق ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر"، اس لئے حضرت عارف رومی رحمہ اللہ

فرماتے ہیں: ع

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند

با من و تو مردہ — با حق زندہ اند

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اگر ہم کو ایک چیز کا احساس و ادراک نہیں ہوتا تو اس سے اس شے کا واقع میں منتفی اور عدم محض ہونا لازم نہیں آتا۔ اس کو ہم اصطلاح میں کہتے ہیں کہ علم عدم وجود شی پر دلالت نہیں کرتا۔

اس سوال کا دوسرا جواب:— بسا اوقات کلام عرب میں اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ نسبت واضافات میں مجازات واستعارات سے کام لیا جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر لفظ سے معنی وحقیقت مراد لینا عربیت سے ناآشنائی اور نادانی کی نشانی اور علامت ہے۔ آخر قرآنِ کریم محاوراتِ عرب کے مطابق نازل ہوا ہے اور ان کا کلام اس قسم کے مجازات واستعارات سے لبریز ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے: "یا نار کونی" میں اصلی خطاب کا تعلق ملائکہ اور فرشتوں کے ساتھ ہے چونکہ وقتِ خطاب نازک تھا اس لئے کلام میں اختصار کیا گیا۔

جواب سوال نمبر ۲:— یہ تسلیم ہے کہ احراق (جلانا) آگ کے لوازم ذاتیہ اور صفاتِ خصوصیہ سے ہے اور "جلانا" اس کی ایسی صفت ہے جو اس سے

کسی وقت جُدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ قدرت
الٰہی نے بطریقِ معجزہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم
مُبارک پر ایسی کوئی غیر مرئی قوّت عطا کی ہو، جس کے
سامنے آگ بے اثر اور بے ضرر ہو کر رہ گئی ہو۔ یعنی
آگ کا آگ رہ جانے کے باوجود کسی مانع نے اپنا اثر
نہ کرنا کوئی نا ممکن نہیں۔ فلسفہ اور عقل کے خلاف نہیں۔
کیا یہ حقیقت نفس الامر نہیں ہے کہ شتر مرغ جاندار اور
حیوان ہونے کے باوجود آگ میں تپائے ہوئے لوہے
کے گر بند سے نکل جاتا ہے اور اس کے حیوانی جسم و پوست
پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ سمندر جو ایک کیڑا ہے آگ میں
پرورش پاتا ہے اور آگ سے اسے کوئی جانی ضرر یا
تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ آگ سے نکلنا اس کے لئے باعث
موت ہے۔ زیادہ دُور جانے کی ضرورت نہیں موجود
دَور میں بھی کپڑوں اور بہت سی چیزوں کو فائر پروف
کیا جاتا ہے پھر ان چیزوں پر آگ کا کوئی اثر نہیں
ہوتا۔ جب آپ مخلوق ہونے کے باوجود آگ سے
محفوظ رہ سکتے ہیں اور اس سے بچاؤ کے تدابیر کر
سکتے ہیں۔ تو اے خدا کے بندو! ذرا ایمانداری اور
انصاف سے کام لو کیا تم ربّ کائنات اور اس آسمان و
زمین کے بادشاہ کو اپنے سے بھی زیادہ عاجز جانتے ہو:

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

فرق اتنا ہے کہ ہمارے ہاں مادی اسباب اور وسائل ہیں وہ پاک ذات ان اسباب اور وسائل کی طرف احتیاج نہیں رکھتی ہے۔ لہٰذا اگر اس وقت قادرت نے اپنے پیارے اور سچے بندے خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بطریق معجزہ آگ کے ضرر سے محفوظ رکھا اور آگ کو اپنے بندے پر اثر انداز نہ ہونے دیا تو آپ کو تعجب کیا ہوتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب ہم جہنم کے داروغوں کا ذکر کرتے ہیں تو فوراً اعتراض ہوتا ہے کہ آگ ان پر اپنا اثر کیوں نہیں کرتی؛ لیکن خود ہی اعتراض کرنے والے فن اور کرتبوں کے ذریعہ آگ کے اثر سے محفوظ رہنے کی پریکٹس کرواتے ہیں۔ اس سوال کا دوسرا جواب :۔ جس خدا نے آگ کی خاصیت اور تاثیر پیدا کی ہے وہ اُن اشیائے سے وہ خاصیت تھوڑی دیر کے لئے چھین بھی سکتا ہے۔ آخر وہ تو خدا ہے اس کی قدرت اور طاقت لامحدود اور غیر متناہی ہے۔ یاد رکھو کوزہ گر اور کمہار جس طرح بہترین برتن بنانا جانتا ہے وہ اُن برتنوں کو توڑنا بھی جانتا ہے۔ پھر توڑنے کے بعد ان سے بہتر بنانا بھی جانتا ہے۔ اگر کوزہ گر اتنی مہارت اور کمال نہ رکھتا ہو تو اُسے کامل نہیں بلکہ ناواقف کہا جائے گا۔ بولئے آپ اس خدائے قدوس کے کمالات و عنایات

کیا کیا اندازہ لگاتے ہیں۔ افسوس اب تو ناقص سے ناقص انسانوں کی زبانیں مذہبی روایات پر اعتراض کرنے میں آگے آگے ہوتی ہیں۔ فصبرٌ جمیلٌ۔

بہر حال سچے مسلمانوں کا کام ہے کہ فلسفیانہ موشگافیوں میں پڑے بغیر کتاب اللہ کلام خدا پر ایمان لائیں اور پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک تعلیم پر بغیر چون و چرا اپنائے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے: کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب کہ آگ میں ڈالے جانے کے لئے زنجیروں میں باندھے گئے تو انہوں نے یہ کلمات پڑھے۔ موصوف نے احادیث صحیحہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ جس وقت نمرودی قوم حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ میں لکڑیاں ڈال ڈال کر اسے تیز اور مشتعل کر رہی تھی تو تمام جانور آگ کو پھونک مار مار کر بجھا رہے تھے، سوائے کم بخت گرگٹ کے یہ تو آگ کو تیز کر رہا تھا۔ حدیث میں اس کے مارنے کا حکم آیا ہے۔

انجام و عبرت!

آپ نے دیکھ لیا۔ کہ یہ جنگ و جدل، یہ مناظرہ اور مجادلہ ایک بڑے ظالم و قاہر، مغرور و متکبر بادشاہ (نمرود) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ہوا۔ نمرود

کے پاس ظاہری طاقت و قوّت، شان و شوکت اور بیشمار فوج و دولت تھی دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ صرف اللہ کا نام پاک تھا۔ سچائی، جراءت ہمت اور خدا پرستی تھی۔ یہ وہ وزن دار صفتیں ہیں جن سے نمرود اور نمرود کی قوم ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ اور حضرت ابراہیمؑ اپنی صداقت و قربانی کی وجہ سے رہتی دنیا تک نیکوکاروں، مومنین اور صالحین کے پیشرو اور پیشوا ہیں ـــــ علمانے نمرود کے متعلق لکھا ہے کہ یہ نمرود بن کنعان بن کوس بن سام بن نوحؑ تھا ـــــ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ دنیا کے چار بادشاہ گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنے وقت میں دنیا کی پوری آبادی پر بادشاہت کی ہے۔ ان میں سے دو مسلمان: سلیمان ابن داؤد اور سکندر ذوالقرنین اور دو کافر: نمرود اور بخت نصر ہیں ـــــ فرّا کہتا ہے: کہ سب سے پہلا وہ بادشاہ جس نے سر پر تاج رکھا اور ظلم و جور کی بنیاد ڈالی وہ یہی نمرود تھا اس نے دعویٰ ربوبیت کیا تھا، وہ ولد الزّنا تھا۔ جب اس نے موحدِ الانبیاء کی زبان وحی ترجمان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا تو اس نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جاؤ تم بھی اپنے لوگ جمع کرو، میں بھی اپنے لوگ جمع کروں گا جس کا غلبہ ہوگا

وہی سچا ہے۔

چنانچہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ سورج نکلتے نکلتے نمرود نے اپنا سارا لشکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے بھیجا، ابھی سورج کی زرد شعاعوں پر لوگوں کی نگاہیں نہیں پڑی تھیں کہ مچھروں کا لشکر نمرودیوں کا سارا گوشت پوست چاٹ کر ان کے جسموں کا سارا خون پی گئے، صرف ان کی ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ ان میں سے ایک مچھر بادشاہ کی ناک میں گھس گیا اور چار سو برس تک ناک ہی ناک میں رہ گیا جب وہ اپنے زہریلے ڈنک سے اسے صدمہ پہنچاتا تھا تو نمرود بالکل بے تاب اور بے قرار ہو جاتا۔ جب تک سخت چیزوں سے اس کا سر نہ پیٹا جاتا اس کو چین نہ آتا تھا اور اس عذاب میں حلیم اور بردبار پروردگار عالم نے اسے ہلاک کر ڈالا۔

" انھم یکیدون کیدا واکید کیدا "

—٥—

غیر اللہ سے محبت کا نتیجہ

حضرت سیدنا مولانا الشیخ سید عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں، کہ جناب خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حلقِ مبارک پر ذبح کے لئے چھری رکھ دی تو دل میں حضرت خلیل سے عرض کیا: کہ "میرے مولیٰ! اگر میرے بیٹے کا ذبح میرے ہاتھ سے نہیں بلکہ کسی اور کے ہاتھ سے عمل میں آتا تو وہ زیادہ بہتر ہوتا"۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو فرمایا: "نہیں! تمہیں اپنے ہاتھ سے یہ سرانجام دینا ہے"۔ فرشتوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا: "یا اللہ! اس سے ان کا امتحان و آزمائش سخت سے سخت ہو گی"۔ اللہ نے فرمایا: "اس سے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا پس منظر اچھی طرح عیاں اور آشکارا ہوگا"۔ فرشتوں نے پھر عرض کیا: "یا الٰہی! یہ اتنے سخت امتحان و آزمائش کے مستحق کیوں ہوئے؟"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "حتیٰ لا یحب احداً غیری فانی لا اقبل الشریک فی الحب" کہ اس سے ابراہیم آئندہ کسی مخلوق سے دل نہ لگائے گا اور میرے سوا کسی سے محبت نہ کرے گا، کیونکہ میں محبت

میں کسی شریک کو پسند نہیں کرتا ہوں۔

حضرت مولانا رحؒ فرماتے ہیں کہ غور کرو کہ خلیل الرحمٰنؑ نے اپنے بیٹے کو حد سے زیادہ محبوب بنایا تو چالیس سال ان سے غائب کئے گئے۔ اور حضرت یعقوبؑ کی بینائی روتے روتے ختم ہوئی۔ حضرت نبی برحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسنین رضؓ کو محبوب بنایا، تو ایک صاحب رضؓ شہید کئے گئے اور دوسرے صاحب رضؓ کو زہر دیا گیا۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اصلی محبوب مقصود صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اس لئے مال و اولاد سے نہیں اسی رب العالمین سے دل لگانا چاہئے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور ہجرت میں پیش آنے والے واقعات

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو آپ نے خضوع و خشوع کے ساتھ یہ دعا پڑھی "اللھم انت الواحد فی السماء وانا الواحد فی الارض لیس فی الارض احد یعبدک غیری حسبنا اللہ و نعم الوکیل"

اے اللہ! تو آسمان میں اکیلا ہے اور میں زمین پر اکیلا ہوں میرے بغیر زمین میں کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔"

بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ نے یہ دعا پڑھی:

"لا الہ الا انت سبحانک رب العالمین لک الحمد ولک الملک لا شریک لک"

اے اللہ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں، میں تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں، اے تمام عالموں کے پالنہار تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں اور ملک تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

حضرت ابراہیم کا بارگاہ الٰہی میں درخواست اور اس کا جواب

گذشتہ سطور سے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ حضرت ابراہیم

نے پورے خلوص و ایثار کے ساتھ جمہور خلائق کو دعوت دی اور اس راہ میں بے شمار مصائب اور تکالیف قبول کیے۔ حتیٰ کہ نمرود کی آگ میں جلنا منظور کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں جناب موصوف کو بہت ہی بڑی سعادت اور خصوصیت کے ساتھ نوازا ہے تا آنکہ ان کو اپنا خلیل اور دوست منتخب کیا، ابتداء میں اس کا علم اور شہرت عالم ملکوت میں ہوا۔ ملک الموت نے خدائے پاک سے اجازت چاہی کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی بشارت اور خوشخبری سنا دوں۔ ان کی یہ درخواست بارگاہ احدیت میں قبول ہوئی چنانچہ وہ ابراہیمؑ کے مکان میں آئے، جناب مذکور گھر میں نہ تھے، جب واپس آئے تو اپنے گھر میں ملک الموت کو انسانی صورت میں دیکھا اور اپنی بے شمار غیرت و حمیت کی وجہ سے اس شخص کو کہا کہ تم کو گھر کے اندر آنے کی اجازت کس نے دی ہے؟ اس نے جواب میں کہا "گھر والے نے۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام [illegible] سمجھ گئے کہ انسانی صورت میں فرشتہ ہے۔ تب ملک الموت نے کہا کہ مجھے اللہ پاک نے یہ بشارت اور خوشخبری دینے کیلئے بھیجا ہے کہ اس نے آپ کو اپنا "خلیل" اور دوست قرار دیا ہے اور خلت و اصطفا کے خلعت و تاج سے بہرہ ور بنایا۔" ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اس کی علامت اور

نشانی کیا ہے؟" ملک الموت نے کہا: "اس کی علامت یہ
ہے کہ، جو دعا آپ جناب بارگاہِ احدیت کے دربار میں
کریں گے وہ قبول ہو گی۔" حضرت خلیلؑ نے اس وقت
وہ درخواست بارگاہِ الٰہی میں کی، جس سے ان کی روحانی
کیفیت و بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ یعنی اب تک تو
موصوف نے اپنے مخالفوں کو دلائلِ عقلیہ اور براہینِ نقلیہ
سے شکست دے کر توحیدِ الٰہی کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ اور
اب تک مناظروں اور مباحثوں سے اپنے حریفوں کو پچھاڑ
چکے تھے۔ اب تک حضرت ابراہیمؑ حق الیقین کے درجہ
تک تھے اور اب اس درخواست کے ذریعہ عین الیقین
اور مشاہدہ و مکاشفہ کا مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ
عین مشاہدہ کر کے منکرین بعث پر اتمام حجت کر سکیں
گے، اور دلی تسکین اور قلبی اطمینان حاصل ہو جائے۔
غرض آپ نے جناب احدیت میں یہ درخواست کی:
"الٰہی! مجھے آنکھ سے دکھا دے، تو مردوں کو کیونکر زندہ
کرے گا اور ان اجزاء بکھرنے اور پریشان ہونے کے
بعد کس طرح تو ان کو قیامت کے دن دوبارہ زندگی کا
لباس و خلعت دیگر سرفراز فرمائے گا اور بعینہ وہ
پہلے جیسے ہی جائیں گے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے خلیل!
کیا تم اس بات پر ابھی تک ایمان نہیں لائے کہ میں
مردوں کو زندہ کرنے پر پوری طاقت و قدرت رکھتا

ہوں۔ عرض کیا! کیوں نہیں، ایمان لایا ہوں۔ آپ کی قدرت اور غیر متناہی طاقت پر شک اور تردد نہیں ہے، بلکہ یہ مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت ان آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ مقام شہود و حضور کا درجہ پا کر تیرے مخالفوں پر اتمام حجت کر سکوں۔ فرمایا: اچھا اگر تجھے یہ کیفیت دیکھنی ہی منظور ہے تو کبوتر، مرغ، مور اور کوا۔ اپنے پاس جمع کر لے اور ان چاروں جانوروں کو ہاتھ میں لے اور ان کی شکل و صورت کو اچھی طرح پہچان لے تاکہ زندہ ہونے کے بعد پھر کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔ ان چاروں جانوروں کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے اور بوٹی بوٹی کر ڈال، پھر سب کو ملا کر ایک جگہ جمع کر دے اور چاروں جانوروں کے سر اپنے ہاتھ میں لے لے پھر اپنے ارد گرد کے تمام پہاڑوں پر جہاں تک بن پڑے ان ٹکڑوں کو رکھ دے اور تھوڑے سے فاصلہ پر کھڑے ہو کر انہیں آواز دے وہ تیرے پاس دوڑتے چلے آئیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان جانوروں کو ذبح کر کے ان کے خون، رگ، پٹھے، ہڈیاں، بال، پر وغیرہ کے ٹکڑے ٹکڑے کئے اور ان اجزاء کو باہم ملا کر باریک پیسنے کے بعد ان کے کچھ حصے بنا لئے، پھر ان سب کو چار یا سات یا دس پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا رکھ دیا اور ان کے سر اپنے ہاتھ میں لے کر پہاڑوں کے بیچ میں

کھڑے ہو گئے اور یوں آواز دی۔ "اے کبوتر! اے مور!
اے مرغ! اے کوّا! اپنے اپنے سروں کی طرف دوڑو"
خدا کی قدرت پر ایک جز دوسرے جزوں سے علیحدہ
ہو کر اپنے حصہ سے آملا اور اپنے بدن کو درست کرکے
سر کی طرف زمین پر دوڑنے لگا۔ جانوروں کی زمین پر
دوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صورت دلیل و حجت کے
لئے بہت صاف اور واضح تر ہے اور شبہ سے کوسوں
دور ہے۔ کیونکہ اگر اڑ اڑ کر آتے تو مشتبہ ہو سکتا
تھا کہ شاید یہ اڑتے جانور نہ ہوں یا [illegible] بلکہ
خیال گذر سکتا تھا کہ ان کے پاؤں درست نہ ہوئے
ہوں۔ نیز اڑنے میں جانور کی کیفیت بہت کم معلوم
ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے زمین پر چلنے میں ان کی
کیفیت اچھی طرح نظر آتی ہے۔ غرض کہ وہ بے سر
جانور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں تک آئے اور
وہاں سے اڑ کر اپنے سروں کے ساتھ جو حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ
میں تھے جڑ جاتے۔ اس طرح چاروں مردہ جانور اپنے
سروں سے ملکر زندہ ہوگئے۔ اور "یحیی و یمیت بیدہ
الخیر" کا خدائی کرشمہ اپنی آنکھوں اور عین مشاہدہ کرکے
تمام دنیا پر گوئے سبقت حاصل کیا۔ سچ ہے جو پروردگار
ابتداء میں عدم محض سے پیدا کرنے پر قدرت تامہ رکھتا ہے
وہ ضرور اس شے کے اجزاء بکھیرنے اور منتشر کرنے کے بعد

بھی ان کے جوڑنے اور دوسری زندگی عطا کرنے پر بیشمار طاقت و قدرت رکھتا ہے۔ ع

کوزہ گر گر کوزۂ را بشکند | چوں بخواہد باز قائم میکند
آں کہ داند کوزہ کردن از نخست | چہ عجب گر ساز د او بشکستہ در

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پر تاریخی واقعہ اور دین و مذہب کا اصل الاصول ضابطہ سورۂ بقرہ کی اس آیت میں پورے اعجاز کے ساتھ فرمایا:

"واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءً ثم ادعھن یاتینک سعیا واعلم ان اللہ عزیز حکیم۔"

اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس کیفیت کے ساتھ زندہ کریں گے۔ ارشاد فرمایا: "تم یقین نہیں لائے۔" عرض کیا: یقین کیوں نہ لاتا! لیکن اس غرض سے یہ سوال پیدا کرتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔" ارشاد ہوا کہ اچھا تم چار پرندے لے لو، پھر ان کو پال کر اپنے سے ہلا لو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک حصہ رکھ دو پھر ان سب کو بلاؤ (دیکھو) تمہارے پاس سب زندہ ہو کر دوڑے دوڑے چلے آئیں گے اور خوب یقین رکھو اس بات

کہ اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

بعض مفسرین کرام سوال مذکورہ کا سبب لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام دریا کے کنارے سفر کر رہے تھے، تو ایک کنارہ پر ایک مردہ پڑا ہوا دیکھا اسے دریا کے چرندے دریا کے مختلف جانور کھاتے جاتے تھے۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کے قلب مبارک میں یہ خیال آیا کہ "نہ معلوم کس کیفیت کے ساتھ حق تعالیٰ اس مردہ کو پرندوں کے پوٹوں اور جانوروں کی انتڑیوں سے دوبارہ پیدا کرکے زندگی بخشے گا۔" اس قصہ سے بعض صوفیائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ:۔ جو شخص اپنی روح کو دائمی زندگی اور ابدی حیات کے ساتھ زندہ رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ عبادت و ریاضت کی تیز تلوار سے اپنی جسمانی قوتوں کو نیم جان کرکے ایک دوسرے کے ساتھ ملائے تاکہ ان کی ظاہری صورت بگڑ کر حکم الٰہی کے تابع ہو جائے۔ ان جانوروں کو ذبح کرنے کے لئے خاص کرنے کی وجہ یہ ہے۔ مور میں زینت طلبی اور رجاہ پسندی ہے۔ کبوتر ظاہری عشق والفت میں گرفتار ہے۔ مرغ میں شہوت پرستی۔ اور کوے میں حرص اور لالچ ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ کو اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ جب تک مسلمان اور باایمان ان چار خصلتوں کو اعتدال اور درمیانی طریقہ پر نہ رکھے اس وقت تک وہ کامل الایمان

اور سچا مسلمان نہیں ہوگا ـــــ افسوس ہے کہ ہم موجودہ دور کے مسلمان بھی ان ہی چار ناپسندیدہ خصلتوں میں مبتلا ہیں، اس لئے کمال ایمان کی حلاوت و شیرینی حاصل کرنے سے بہت پیچھے ہیں۔ اس لئے حضرت حکیم سنائی فرماتے ہیں:

چار مرغ است چار طبع بدن ۔۔۔ جملہ را بہر دین بزن گردن

پس پا بجان او تشنی بعقل و دلیل ۔۔۔ زندہ کن ہر چہار را چو خلیل

بہر حال آذر و نمرود اور ان کی ساری قوم نے حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے بیشمار معجزات دیکھے مگر ازلی شقاوت اور بدبختی کی وجہ سے ایمان کی سعادت و کرامت سے محروم رہ گئے بلکہ حضرت ابراہیمؑ کو آئے دن تکلیفات و اذیتیں پہنچانے لگے۔ نمرود کو خوف ہوا کہ ایک نہ ایک دن خرشید خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ کی صداقت و ایمانداری ملک میں ایسا انقلاب اور تلاطم برپا کریگی کہ اس وقت سلطنت و حکومت اور تاجداری و سرداری کا نام و نشان نہ رہے گا۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے ملک سے جلاوطن اور شہر بدر ہونے کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیمؑ بھی سمجھ گئے کہ توحید و خدا پرستی ان لوگوں کو نصیب نہیں ہے۔ اس لئے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں آپ کی مہاجرت سورۂ عنکبوت کی اس آیت شریف میں فرماتا ہے: "فامن لہٗ لوطؑ وقال انی مہاجر الی ربی انہٗ ھو العزیز الحکیم۔" حضرت لوطؑ نے ان کی تصدیق فرمائی۔ ابراہیمؑ نے فرمایا:

کر کے اپنے پروردگار کی بتلائی ہوئی جگہ کی طرف ترک
وطن کر کے چلا جاؤں گا۔ بے شک وہ زبردست حکمت
والا ہے۔

تواریخ و تفاسیر میں آپ کی ہجرت کی تفصیل اس طرح
آئی ہے۔ کہ آپ اپنا تمام مال و اسباب ترک کر کے حران
کی طرف اپنے چچا ہاران کے پاس ہجرت کر گئے۔ ہاران نے
حضرت ابراہیمؑ کی بے حد دلجوئی اور تسلی کر کے اپنی دختر
سارہ نامی سے اس غرض سے ان کے ساتھ نکاح کیا کہ
شاید دنیوی مال و متاع اور زن و فرزند کی لالچ میں
آکر اپنے دین و اعتقاد سے باز آجائے اور اپنا آبائی
مسلک اختیار کرے۔ مگر جب حضرت ابراہیمؑ نے توحید
ہی پر اصرار کیا اور اسی (اللہ جل شانہٗ) کی وحدانیت
کی طرف اپنی پرخلوص دعوت کا سلسلہ جاری رکھا تو
اب "یک نہ شد دو شد" والی مثال ہو گئی۔ یعنی حضرت
سارہؑ بھی ان کی ہم خیال ہو گئیں۔ اور دونوں میاں
بیوی بت پرستوں کی عیب گیری اور جائز نکتہ چینی
کرنے لگے تو ہاران کا غصہ سخت ہوا اس نے دونوں
میاں بیوی کو زیب و زینت سے ننگا کر کے اپنے شہر
سے نکال دیا۔ حضرت سارہؑ ان سے پہلے ہی عہد کر
چکی تھیں کہ میں تمہاری کبھی نافرمانی نہ کروں گی بشرطیکہ
آپ بھی میرے خصوصی خیالات کا خیال رکھیں گے۔ حضرت

ابراہیم ؑ نے ان کی شرط منظور کر کے حضرت سارہ اور حضرت لوط کو ہمراہ لے کر وہاں سے ہجرت کی۔ اور سفر کا راستہ طے کرتے ہوئے مصر پہنچے[۱] اتفاق سے مصر کا بادشاہ فرعون مصر یعنی زان بن علوان، جو خوبصورت عورتوں کا گرویدہ اور نہایت فاسق فاجر، زناکار اور شہوت پرست تھا۔ اس حرام کار کی عادت تھی کہ جو نوجوان اور خوبصورت عورت شہر میں وارد ہوتی تو اس کے مالک سے بزور چھین لیتا تھا اور پھر طرفہ یہ ہے کہ اگر وہ (ایسی عورت کا ساتھی) اس کا خاوند ہوتا تو اسے قتل کر ڈالتا، اور اگر بھائی یا اور کوئی وارث ہوتا تو چھوڑ دیتا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس کی اہلیہ حضرت سارہ شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ نے حضرت سارہ ؑ کا خداداد حسن کی شہرت سُنی تو اس کی طبیعت میں ولولہ پیدا ہوا۔ حضرت ابراہیم ؑ کو کہلوا بھیجا کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو سارہ کو زیب و زینت کے ساتھ فوراً ہمارے حضور میں بھیجو ــــ معزز قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں، یہ نازک وقت اور ظالم بادشاہ کا مطالبہ سچے پیغمبر حضرت ابراہیم ؑ علیہ السلام کے لئے کتنے بڑے امتحان و آزمائش کا وقت ہے

---

[۱]: زیر بحث واقعہ مصر بھی احادیث بخاری شریف میں آیا ہے۔ ہم نے تقریباً متعلق بحث کی۔ تمام روایات کا خلاصہ عرض کیا ہے۔

کہ ایک طرف مسافر مہاجر غربت و تنہائی کے عالم میں نہ کوئی یار اور نہ کوئی غمخوار، پھر عزت و آبرو اور ننگ و ناموس کا سوال، دین کا سوال اور مذہب کا سوال۔ اس لئے اس مشکل ترین وقت میں اپنی عادت کے موافق اپنے خالق رب العالمین کی طرف رجوع کیا کہ مولیٰ آپ مسافروں اور بے کسوں کی لاج رکھیے اور دستگیری کیجیے۔ آخر حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے دلِ مبارک میں ایک تدبیر ڈالی وہ یہ کہ اس نازک وقت میں حضرت سارہؓ کو اصلی حالات سے روشناس کر کے فرمایا کہ اگر بادشاہ کے پیادے تمہیں لینے آئیں تو تم مجھے اپنا خاوند نہ بتلانا بلکہ یوں کہنا کہ یہ میرے بھائی ہیں اور یہ بات کچھ جھوٹ اور خلاف واقعہ بھی نہیں کیونکہ میں دین کے اعتبار سے تمہارا بھائی ہوتا ہوں، اور رشتہ کے لحاظ سے تم میری چچا زاد بہن ہو اے سارہ! تم بالکل نہ گھبرانا خدائے واحد القہار تم کو اس ظالم کے ہاتھ سے محفوظ رکھے گا اور میری ناموس کو برباد اور ضائع نہ ہونے دے گا۔ ادھر حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہؓ سے یہ باتیں کر رہے تھے، ادھر بادشاہ کے آدمی عفت مآب خاتون حضرت سارہؓ کو لینے آئے

؏ا: کما قال کثیرٌ من المفسرین المعتمدین

حضرت ابراہیمؑ علاج یعنی نماز اور دعا میں مشغول ہوئے ادھر حضرت سارہ جب ظالم بادشاہ کے پاس پہنچیں تو وہ مردود دیکھتے ہی آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ اور شیدائی ہوا اور خلیل الرحمٰنؑ کے ناموس کو خاک میں ملانا چاہا مگر حضرت سارہ نے نہایت ہمت اور استقلال کے ساتھ فرمایا کہ اے بادشاہ! ایسا اضطراب و بے چینی کیوں، تھوڑی دیر کی مہلت دے تاکہ راستہ کا گرد و غبار بدن سے دور کرکے رسم و آئین کے مطابق کچھ عبادت کرلوں پھر جو چاہے کرلے۔ اس ظالم نے فوراً وہیں پر ان کے وضو کا انتظام کرایا۔ حضرت سارہؑ نے پورے قرار و اطمینان کے ساتھ وضو اور نماز شروع کی۔ لیکن جب وہ دیر تک نمازیں پڑھنے لگیں، تو وہ خبیث آپے سے بے قابو ہوکر نماز ہی میں حضرت سارہ کی طرف اپنے ناپاک ہاتھ اٹھانے لگا وہیں اس کے دونوں ہاتھ شل ہوگئے اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ جھاگ اس مردود کے منہ سے جاری ہوگیا۔ فرعون اپنی حالت دیکھ کر گھبرا گیا اور حضرت سارہ سے پوری عاجزی اور

ع ا: ہمارے ملک کی معزز شہزادیاں اور مسلم خواتین حضرت سارہ کا واقعہ اچھی طرح پڑھیں پھر غور کریں کہ کیا یہی ابھی العابد زکریا کے ساتھ مناسبت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"

انکساری سے التجا کی، اللہ کے واسطے مجھ پر رحم کرو اور دعا کرو کہ میں اس کے پنجۂ غضب سے نجات حاصل کروں۔ حضرت سارہؑ نے دعا کی اور فرعون کے ہاتھ کھل گئے، لیکن اس ملعون کے سر پر شیطان سوار ہو چکا تھا اور اس کی طبیعت میں بے غیرتی کا جوش تھا جس نے اس کے عقل و ہوش پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ اس لئے اس نے دوبارہ حضرت سارہ کی طرف دست درازی کرنی شروع کی اس کے ہاتھ پھر شل ہو گئے جب پھر اس نے دوبارہ حضرت سارہ سے منت سماجت کی کہ میرے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس مصیبت سے نجات دے، موصوفہ نے پھر بارگاہِ الٰہی میں اس کی نجات کے لئے دعا کی اللہ نے دعا قبول فرمائی اور وہ ملعون ٹھیک ہو گیا۔ مگر افسوس ہوا اس سرکش پر جب ٹھیک ہوا تو پھر اپنے ناپاک ہاتھ حضرت سارہؑ کی طرف دراز کرنے لگا اس دفعہ بھی اس لعین کی پہلی سی حالت ہو گئی۔ ناچار حضرت سارہؑ سے عاجزی کی کہ اگر میں اب کی بار ٹھیک ہو جاؤں تو ہرگز آپ کو کوئی تکلیف اور ایذا نہ دونگا۔ رحم دل جناب حضرت سارہ علیہا السلام نے اپنے مولیٰ کریم کے حضور میں دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ تیسری بار جب اس کا افاقہ ہوا تو اس نے اپنے ملازموں سے کہا کہ اس حسینہ کو یہاں سے لے جا کر شہر سے نکال دو اور اسی قسم کی دوسری عورت قبطیوں کی میرے گھر میں

بقیہ حاشیہ دوسرے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

پڑی ہے اس پر بھی میرا قابو نہ چلا تھا اسی عورت کے حوالہ کردو۔ حضرت سارہ اس نوجوان عورت ہاجرہ نامی کو اپنے ساتھ لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ ابھی نماز ہی میں مشغول تھے جونہی حضرت سارہؑ کو آتے دیکھا تو سلام پھیر کر پوچھا "کیا حال گزرا؟" کہا: خیر ہے! اللہ تعالیٰ نے اس ظالم اور ملعون کو مفلوج اور ناکام بنایا اور آپ کی ناموس کو محفوظ رکھا اور ایک خادمہ میرے ساتھ آپ ہی کو دیدی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا اور وہاں سے کوچ کر کے فلسطین کی سرزمین میں پہنچے اور وہیں پر اقامت گزیں اور لنگر انداز ہوئے۔ وہاں کے لوگوں نے آپ کی تشریف آوری کو غنیمت جانا، یہاں آپ نے تبلیغ اور توحید الٰہی کا مرکز قائم کیا۔ اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو دوسرے شہروں کی طرف اپنا قاصد بنا کر بھیجا۔ اسی اثنا میں حضرت سارہؑ کو اولاد کا شوق دامن گیر ہوا اس لئے انہوں نے

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔

۱۔ (قبطیوں): بعض حضرات کا خیال ہے کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھی یعنی جب بادشاہ پر حضرت ابراہیمؑ کا رتبہ اور اسکی عظمت ظاہر ہوئی تو اس نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو بطور اعزاز حضرت ابراہیم کے نکاح میں دیا اس اعتبار حضرت ہاجرہؑ باندھی کہنا مجاز ہی ہوگا لیکن ان حضرات کے متذکرہ خیال سے ہم اتفاق کرنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ صحیح احادیث اسکے موید نہیں ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ میں نے ہاجرہ آپ کو ہبہ کر دی ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے شکم سے کوئی اولاد عطا کرے جو ہماری تنہائی کا علاج اور دل بہلاوا ہو۔ ممکن ہے کہ اس خادمہ سے اولاد پیدا ہو اور تم کو دشوار گذرے" حضرت ابراہیمؑ نے سارہؓ سے اسکے سوال کے جواب میں فرمایا ــــ اس پر حضرت سارہؓ نے آپؑ کو اطمینان کلی دیا ــــ" چنانچہ حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؓ سے ہمبستر ہوئے تو حضرت ہاجرہؓ کے بطنِ مبارک سے ایک ہونہار لڑکا پیدا ہوا جو تھوڑے عرصہ تک حضرت سارہؓ کے کنارِ عاطفت میں پرورش پاتا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اگرچہ پدری محبت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف التفات کرنے پر ابھارتی تھی مگر پھر بھی مصلحتاً آپ حضرت سارہؓ کی وجہ سے ان کی طرف زیادہ نہ دیکھتے تھے۔ بایں ہمہ جس خیال اور جس خطرہ کا حضرت ابراہیمؑ نے اپنے نورِ نبوت سے حضرت سارہؓ کو وقت سے پہلے آگاہ کیا تھا وہ بعینہٖ پورا ہوا یعنی جناب سارہؓ کی طبیعت میں باقتضاءِ بشریت و فطرتِ انسانیہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کا رشک پیدا ہونے لگا۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنے خاوند حضرت ابراہیمؑ سے اس طرح کیا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کو ایک لق ودق اور بے آب و گیاہ زمین میں پہنچا دو۔ حضرت ابراہیمؑ کو محسوس ہوا

کرا بھی قدرت کی طرف سے ہمارا امتحان پورا نہیں ہوا ہے ابھی بہت کچھ باقی ہے:

"رَبَّنَا اِنِّی اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِی بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ۔" الٰہی میں نے اپنی ایک اولاد کو ایسے جنگل میں بسایا ہے جہاں کھیتی باڑی بالکل نہیں ہوتی ہے۔ تیرے ادب والے گھر کے پاس الٰہی تاکہ نماز قائم رکھیں۔ تو آپ کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کیجیے اور اپنی خاص قدرت سے پھل کھانے دیجیئے تاکہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکر کر سکیں۔

اگر آپ حضرت ابراہیم ؑ کی اس دعا پر غور فرمائیں گے تو وہ تمام شکوک و شبہات آپ ہی آپ دور ہو جائینگے جو گذشتہ اوراق کے مطالعہ سے آپ کو پیش آئے اور یقیناً آپ کو انبیاء کرام کی مقدس زندگی کے مطالعہ سے درسِ عبرت مل جائے گا۔ اور آپ کی ساری مشکلات آسان ہو جائے گی ؎ ۔ اے خدا! جس طرح آپ نے ان

؎ا: یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا صاف صاف بتاتی ہے کہ آپ کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کی حالت میں مکہ کی وادی میں بسانا مجبوری کی وجہ سے نہ تھا (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرات کے دلوں کو ایمان کے نور سے منور کیا تھا۔ ہمارے
دلوں کو بھی اسی طرح قرآن و سنت کے نور سے چمکا دے۔
غرض جب تک حضرت ہاجرہؑ کے مشکیزہ میں پانی اور کھجوریں
باقی رہیں تب تک کھجوریں تناول کرتی اور پانی نوش کرتی
اور اپنے معصوم بچہ کو دودھ پلاتی رہیں مگر جب وہ
ختم ہو گیا تو آپ پر بھی پیاس کا غلبہ ہوا اور بچہ کی زبان
بھی سوکھ گئی۔ حضرت ہاجرہؓ سے اپنے ننھے سے معصوم
بچہ کی یہ حالت دیکھی نہیں گئی، نہایت اضطراب سے
اُٹھ کر کوہ صفا کی جانب جو وہاں سے نزدیک تر تھا
تشریف لے گئیں اور اس پہاڑی پر اس غرض سے
چڑھیں کہ اگر کہیں آدمی یا جانور نظر آئے تو پانی کا نشان
ملے مگر طبیعت کی عجیب کیفیت تھی کہ ایک دو قدم آگے
لیتیں پیچھے مڑ کر دیکھتیں۔ غرض کہ صفا پر اتنی دور تشریف
لے گئیں کہ بچہ نظر سے غائب ہوا، وہاں جا کر دائیں بائیں
خوب نظر ڈالی مگر پانی کا کہیں سراغ نہ ملا۔ آخر مایوس

(حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) بلکہ اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل
علیہ السلام کو کفرستان کے ماحول سے ابتدا زندگی میں
ہی دور رکھنا چاہتے تھے۔ اور پیغمبر ہونے اور خدائے تعالیٰ
پر کامل بھروسہ اور اعتماد ہونے کی وجہ سے ان تمام خیالات سے بہت
بالا تھے جو اس قسم کے مواقع میں عام انسانوں کو پیدا ہوتے ہیں۔

ہو کر صفا سے نیچے اُتر پڑی ہیں اور مروہ کی جانب متوجہ ہوئیں۔ چونکہ یہ رستہ کچھ نشیب میں واقع ہے اس وجہ سے اثنائے نشیب میں آپ کو خیال گذرا کہ مبادا اس وقت میں اپنے بچہ سے علیحدہ ہوں کوئی درندہ آئے تو اسے لے جائے۔ چنانچہ اس میدان کے نشیب میں جسے "بطن الوادی" کہتے ہیں کُرتے کا دامن اٹھا کر خوب تیز دوڑیں اور نشیب سے ہموار زمین میں آگئیں تو دوڑنا موقوف کیا۔ کیونکہ یہاں سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام آپ سے چنداں مخفی اور نظر سے اوجھل نہ تھے جب آپ کوہِ مروہ کے پاس پہنچیں تو اسی قدر اُدھر جدھر کہ ہر چند کہ نظر کو دوڑایا مگر کوئی بھی نظر نہ آیا بیتاب ہو کر پھر وہاں سے صفا کی جانب متوجہ ہوئیں اور نشیب میں اسی طرح دوڑیں۔ غرض کہ اسی طرح صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک آپ کو سات مرتبہ آمد و رفت کا اتفاق ہوا۔ آخری مرتبہ جب آپ مروہ پر تشریف لے گئیں وہاں ایک آواز سنائی دی۔ اپنے جی سے کہا، ذرا

عہ: اللہ تعالیٰ کو حضرت ہاجرہؑ کی یہ آمد و رفت اس قدر پسند آئی کہ قیامت تک حجاج کرام کو ان پہاڑیوں (صفا اور مروہ) پر سات چکر لگانے کا حکم دیا۔ " (یہ حدیث) اشار الیہ ابن عباسؓ فی حدیث البخاری کما ہے۔

سُن تو سہی یہ کیسی آواز ہے۔ دوسری دفعہ وہی آواز آئی، فرمایا: اے آواز والے! تیرے پاس ہماری تنہائی اور بیچارگی کا کوئی علاج بھی ہے۔" یہ کہہ کر جونہی اپنے بچے کے پاس آئیں تو دیکھتی کیا ہیں کہ ایک فرشتہ اس جگہ جہاں (اب) زمزم ہے اپنے پیر یا ایڑی سے زمین کو کریدتا ہے جس سے پانی کا چشمہ زمین سے ابل آیا ہے۔ آپ اس کو بطور حوض کے جمع کرنے اور دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے اور اپنے مشکیزہ میں چلو چلو بھر بھر کر ڈالنے لگیں مگر پانی کا چشمہ فوارہ کی طرح جوش مارتا اور جاری ہوتا رہا۔ حضرت ہاجرہ ؑ نے خود بھی نہایت سیر ہو کر پیا اور اپنے پیارے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی پلایا۔ اس فرشتہ نے جو وہاں بیٹھا تھا ان کو بہت تسلی اور دلاسہ دے کر کہا: "تم ہرگز خوف نہ کرنا خدائے تعالیٰ آپ کو ضائع نہ کرے گا کیونکہ یہاں خانۂ خدا ہے حق تعالیٰ اپنے اس گھر میں بسنے والوں کو کبھی ضائع نہ کرے گا۔ اور اس وقت کعبہ کی سرخ ٹیلا جیسا زمین سے اونچا اور ممتاز نظر آتا تھا پانی کے سخت سیلاب اگرچہ آتے مگر دائیں بائیں ہو کر نکل جاتے یہ ٹیلا یونہی برقرار رہتا تھا[۱] القصہ حضرت ہاجرہ ؑ اور حضرت اسمٰعیل ؑ نے عرصہ

۱: تقریباً صحیح حدیث کا ترجمہ ہو رہا ہے۔

دراز تک وحشت اور تنہائی میں گزرا، اتفاقاً قبیلہ جرہم کی ایک جماعت یمن کی طرف سے آوارۂ دشت غربت ہو کر کدا کے راستہ سے اس طرف آنکلی اور اسفل مکہ میں قیام کیا۔ اتفاق سے ان کی نظر بیت کعبہ کے مقابل پڑگیا۔ یہ لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ کعبہ شریف کے سامنے سے ہزاروں پرندے اڑ رہے ہیں، انہوں نے ایک دوسرے سے تعجب سے پوچھا: کہ دوستو! یہ پرندہ جانور وہیں ہوتے ہیں کہ جہاں پانی ہوتا ہے اور ہم ہمیشہ سفر وں میں یہاں سے گذرے اور چلے ہیں مگر کبھی پانی کا نام و نشان نہ پایا۔ یہ کہہ کر ان میں سے ایک دو آدمی اس جگہ تحقیق کیلئے گئے، انہوں نے واپس آکر تعجب سے کہا: کہ یہاں غیب سے پانی نمودار ہوا ہے، اور ایک عورت اپنے شیر خوار بچہ کے ساتھ اس کے پاس بیٹھی ہے۔ اس جماعت (قبیلہ جرہم) نے یہ عجیب و غریب قصہ سن کر اس جگہ رہنے کی خواہش کی اور حضرت اسمعیل کی والدہ کے پاس آکر سکونت کی اجازت چاہی، چونکہ حضرت ہاجرہؑ بھی وحشت و تنہائی میں کوئی مونس غمخوار چاہتی تھیں لہذا ان کو اپنے پاس رہنے کی اجازت دی۔ مگر اس شرط پر کہ اس پانی میں ان کا کسی قسم کا کوئی حق نہ ہو، اور انہوں نے اس شرط کو دل سے قبول کیا اور دوسرے رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں کو بھی بلوا کر آباد کیا۔ رفتہ رفتہ حضرت اسمعیل علیہ السلام بفضلہ تعالیٰ

جواں ہوتے گئے اور قبیلہ جرہم سے عربی زبان سیکھ کر اعلیٰ درجہ کے تیز فہم اور قابل ہو گئے حتیٰ کہ قبیلہ کے سردار نے بڑی وجاہت اور اعزاز کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح ان کے ساتھ کرلیا اور اسی اثناء میں حضرت ہاجرہ کو کل نفسٍ ذائقۃ الموت" کا پیغام پہنچا اور عالمِ فانی سے دارِ جاودانی کیطرف منتقل ہو گئیں۔

الغرض جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام چودہ برس کے ہوئے تو یہاں حضرت سارہؓ کے ہاں بھی ایک سعادتمند فرزند "اسحٰق" نام پیدا ہوا۔ اس کی وجہ سے حضرت سارہ کا رشک طبعی بھی کم ہوا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کے پاس جانے کی اجازت حضرت سارہ سے چاہی۔ حضرت سارہؓ نے اس شرط پر اجازت دی کہ وہاں پہنچ کر گھوڑے سے نہ اتریں اور وہاں رات قرار نہ کریں اور نہ وہاں زیادہ دیر توقف کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام شرائط قبول فرما کر مکہ تشریف حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لئے تشریف لے چلے گئے۔ وہاں پہنچکر حضرت اسمٰعیلؑ کو تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو کافی جوان ہو کر باقاعدہ خانہ دار ہو گیا ہے۔ اور اس وقت وہاں انتقال کر گئیں ہیں وہاں سے حضرت اسمٰعیلؑ شکار کے لئے جنگل گئے تھے کیونکہ ان کی معاشرت یہی تھی کہ تیر و کمان سے حلال جانوروں کا شکار کرتے اور زمزم کے پانی

میں پکا کر کھایا کرتے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ
کو گھر میں نہ پایا تو ان کی بی بی کو دروازے پر بلا کر پوچھا
کہ تمہارے میاں کہاں ہیں؟ اور کس وقت آئیں گے؟"
بی بی نے کہا: معاش کی تلاش میں جنگل گئے ہوئے ہیں شام
تک شاید آجائیں گے"۔ حضرت ابراہیمؑ نے خیال کیا کہ
اگر اسمٰعیلؑ کے آنے تک یہاں رہوں گا تو بڑی مشکل ہوگی
دیر سے آئیں تو پھر شام ہونے کی وجہ سے مجھے رات کو قیام
کئے بغیر نہ چھوڑیں گے، اور حضرت سارہؑ کے ساتھ وعدہ
خلافی ہوگی یعنی وعدہ خلافی" انبیاء کرام کے ہاں نہایت مذموم
اور ناپسندیدہ ہے۔ اس لئے جلدی اسمٰعیلؑ کی بیوی
سے ان کے حالات دریافت کئے۔ بی بی نے کہا: ہماری معاش
کی حالت ناگفتہ بہ اور گھٹیا درجہ کا ہے، نہایت تنگی سے
گزران کرتے ہیں"۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کی یہ شکوہ
شکایت سن کر فرمایا: کہ جب تمہارا خاوند آئے تو میری طرف
سے سلام کہنا اور کہنا کہ تم اپنے دروازہ کی سردل (چوکھٹ)
تبدیل کر لو، کیونکہ یہ سردل تمہاری شان کے لائق نہیں
ہے۔" یہ کہہ کر حضرت ابراہیمؑ اپنے شہر کو واپس چلے
آئے۔ ادھر جب حضرت اسمٰعیلؑ اپنی عادت کے موافق
شام کو گھر تشریف لائے تو آپ کو حضرت ابراہیمؑ کی نبوت کے
انوار و برکات کا کچھ اثر محسوس ہوا۔ بی بی سے دریافت کیا
کہ کیا آج ہمارے یہاں کوئی شخص آیا تھا؟ بی بی نے کہا: ہاں

ایک بوڑھا آدمی گھوڑے پر سوار جس کی شکل و صورت نورانی تھی، آیا تھا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر مجھے بلایا اور تمہارے احوال کی پوچھ گچھ کی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے دل میں کہا کہ وہ بزرگوار میں ہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہوں کیونکہ یہ حلیہ و شمائل انہیں کا جیسا ہے، جیسا کہ میں نے اپنی مرحوم والدہ سے سنا ہے۔ پھر اپنی جانب سے کہنے لگے کہ انہوں نے اور کبھی کچھ تجھ سے دریافت کیا تھا۔ بی بی نے کہا: ہمارے گزر اوقات اور صورت معاش کا دریافت فرمایا! میں نے بھی اپنے فقر و فاقہ اور تنگی وغیرہ اظہار کیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے سن کر فرمایا: کہ انہوں نے کیا جواب دیا: کچھ نہیں مگر چلتے وقت اتنا اور کہا تھا " کہ تم اپنے خاوند کو میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ گھر کی "دہلیز" کو بدل ڈالے"۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا: وہ میرا حقیقی باپ تھے، تجھ سے علیحدہ ہونے کی وصیت کر گئے ہیں۔ لہذا تو فوراً اپنے گھر چلی جاؤ اور مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ اس عورت کا علیحدہ ہونا تھا کہ اور ایک قبیلہ جرہم قوم کے شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح ان سے کر دیا

پھر ایک زمانہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل مبارک میں اسمٰعیلؑ کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ حضرت سارہؑ سے فرمایا کہ میں اب دوبارہ اسمٰعیلؑ کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں، کیونکہ پہلی دفعہ مجھے تسکین نہ ہوئی۔ لہذا اجازت دیدو کہ میں ان کو دیکھ آؤں۔ حضرت سارہ نے عرض کی جائیے اور

دیکھ آیئے۔ لیکن رات کو وہاں قیام نہ کیجیے اور زیادہ توقف وہاں نہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شرط کو قبول کر کے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے مگر اللہ کی شان ہے کہ اس مرتبہ بھی حضرت اسمٰعیلؑ گھر پر تشریف فرما نہ تھے، باہر کہیں گئے ہوئے تھے مگر بی بی اسمٰعیلؑ کی دوسری بی بی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا تو فوراً دروازہ پر آ گئیں، آپؑ سے عرض کی: مرحبا! تشریف لایئے، ہمارے غانہ کو اپنے برکات و انوار سے منور فرمایئے اگر حکم ہو تو میں آپ کا سر دھو ڈالوں کیونکہ آپ کے سر مبارک کے موئے مبارک راستے کے گرد و غبار سے آلودہ ہو گئے ہیں۔" حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا مجھے نیچے اترنے کی اجازت نہیں ہے۔" اس نیک خصلت بی بی نے ایک بڑا پتھر لا کر آپ کی رکاب کے پاس رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ آپؑ نے پتھر پر پاؤں کا زور دیکر سر مبارک کو جھکا دیا۔ نیک بہو نے آپؑ سر مبارک کو اچھی طرح دھویا اور بالوں کو کنگی کر کے صاف کیا۔ اسی دوران حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی احوال پرسی سعادت مند بہو سے کرتے رہے اور وہ ان کے اخلاق و اعمال کی شکر گذاری کرتی جاتی تھی، یہاں تک کہ جب معیشت اور گذر اوقات سے متعلق دریافت فرمایا تو بی بی نے رب العالمین کی بے حد شکر گذاری اور کہا: الحمد اللہ ہم نہایت خوش گزران اور پوری رفاہیت و آرام کے

ساتھ ہیں، اور ہم کو کوئی تکلیف، فکر و پریشانی نہیں ہے اسمٰعیلؑ شکار کا گوشت لاتے اور ہم زمزم کے پانی میں پکا کر کھاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خوش ہو کر بہو کے حق میں پوری دعا فرمائی کہ الٰہی ان کے گوشت و پانی میں برکت عطا فرما۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ بشارت کے ڈر سے یہاں زیادہ دیر نہ ٹھہرے اور چلتے وقت بی بی کو فرما گئے "جب تمہارے خاوند آئیں گے تو میری طرف سے سلام پہنچا کر کہہ دینا کہ دروازہ کی "سردل" (چوکھٹ) نہایت بہتر اور عمدہ ہے اسے غنیمت جان کر خیر و خوبی کے ساتھ حفاظت کرنا اور جو بھول چوک اس سے سرزد ہو جائے وہ درگذر کرنا۔" حضرت اسمٰعیلؑ جب شام کو گھر واپس تشریف لائے تو پھر وہی انوار و برکات مشاہدہ کئے اور اپنی گھر والی سے دریافت کیا۔ بیوی نے سارا ماجرا بیان کیا.... حضرت اسمٰعیلؑ نے خوش ہو کر فرمایا: وہ میرے والد بزرگوار تھے اور تمہارے حق میں سفارش فرما گئے۔ انشاء اللہ میں تمہارے ساتھ ضرور نیکی اور خوش اخلاقی سے پیش آیا کروں گا۔ اس کے بعد ایک عرصۂ دراز گذرا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کے دل مبارک میں حضرت اسمٰعیلؑ کے دیکھنے کا ولولہ پیدا ہوا۔ حضرت سارہؑ سے فرمایا: "کہ میں اسمٰعیلؑ کو دو دفعہ دیکھنے گیا مگر ملاقات نہ ہوئی لہٰذا آپ پھر مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دیں تاکہ انہیں دیکھ کر اپنے بنے چین اور پریشان

دل کو کچھ آرام اور تسکین دے سکوں۔ لیکن اس دفعہ وہاں
مزید چند دن قیام کروں گا۔ حضرت سارہؑ نے خوشی سے اجازت
دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے رخصت ہو کر
سیدھے مکہ معظمہ پہنچے اور اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ زمزم
کے پاس ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر و کمان
درست کر رہے تھے۔ جونہی حضرت اسمٰعیلؑ نے آپؑ کو
دیکھا تو فوراً پہچان گئے اور بے اختیار باپ سے معانقہ
کیا اور گلے ملے اور جو کچھ نیک بخت اور سعادت مند
فرزند کو اپنے عالی قدر بزرگوار باپ کے ساتھ کرنا چاہئے
وہ انہوں نے کیا ۔۔۔ کیا اس کا اندازہ معین بن ارشد
یمنی کے اس قول سے ہوگا؟ وہ فرماتے ہیں: کہ جب
ان دونوں باپ بیٹے نے ملاقات کی تو اس قدر بلند
آواز سے روئے کہ پرندو جانور بھی بے چین ہو کر
گریہ و فغاں اور آہ و زاری میں آئے۔ جب باہمی
ملاقات سے فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے فرمایا: "اے بیٹا! مجھے حکم ہوا ہے کہ اس جگہ
خانہ خدا تعمیر کروں جس میں صرف ربّ العالمین کی
پرستش و عبادت کی جائے۔ اگر تم بھی اس کام میں
میرے شریک کار رہو گے تو کتنا اچھا ہوگا، کیونکہ تمہارا
کام کرنا گویا میرا ہی کام کرنا ہے۔" حضرت اسمٰعیلؑ
نے فرمایا: "کس جگہ تعمیر کرنا ہوگا۔" حضرت ابراہیمؑ

نے فرمایا: "اس سرخ ٹیلے پر۔" حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے سُن کر عرض کیا: "اللہ تعالیٰ کا حکم اور جناب کا فرمان مجھے سر آنکھوں پر منظور ہے، میں آپ کے اس حکمِ خدا اور نیک کام پر ضرور مدد کروں گا۔" چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غرۂ ذیقعدہ کو خانۂ کعبہ کی بنا شروع کی اور اسی مہینے کی پچیسویں (۲۵) تاریخ کو یہ متبرک اور مقدس عمارت بفضلِ حق سبحانہ تکمیل ہوئی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر اپنے ہلکے ہاتھوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور چن چن کر لاتے اور جناب حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام معمار کی طرح انہیں لگاتے جاتے اور دونوں باپ بیٹا علیہما السلام مل کر یہ دعا کرتے جاتے تھے:

"ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔"

اس ولولہ انگیز عبرت بھرے تاریخی واقعہ سے چند کارآمد نتائج نکلتے ہیں:

- مومن مسلم جب تک اپنی تمام خواہشات خدا کے حکم کے مطابق نہ بنائے اس وقت تک وہ پکا مومن اور مسلمان نہیں ہے۔
- انبیاء کرامؑ کے تمام کام خدائے قدوس کے حکم کے تحت ہوتے ہیں۔ گو بظاہر حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ محترمہ کو مکہ شریف کی وحشت ناک زمین میں بسانا خدا کی مرضی اور منشا کے مطابق تھا جس

قدرت نے اس عالم اسباب میں حضرت سارہؑ سے کروایا۔ لہٰذا یہ کوئی بے التفاتی نہیں ہے۔ خدا کا حکم کائنات کی ہر چیز پر مقدم ہے۔

- دنیا میں وہی لوگ ترقی و عزت کے حقدار ہیں جو اپنا سب کچھ الٰہی حکم کے تابع بنائیں گے۔
- کامل انسان وہ ہے جس میں ضبط اور بردباری ہو اور وہ جذبات کی رو میں نہ بہتا ہو۔
- اس واقعہ سے اولاد کے لئے بڑی عبرت ہے کہ نیکوکار اور سعادت مند بیٹا وہ ہے جس کے دل میں اپنے باپ کی عزت و احترام ہو، جیسا کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اس کا حق ادا کیا۔
- اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ میاں بیوی کو چاہیئے کہ ایک دوسرے کے جذبات کا احترام رکھیں۔ بشرطیکہ شریعت اور دین کے خلاف نہ ہوں۔
- اس واقعہ سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ انسان کسی بھی صورت میں اپنے مولیٰ اور اپنے خدا کی نافرمانی نہ کرے بلکہ اس کی شکرگزاری کرتا رہے۔

کعبہ شریف کی تعمیر

رسالہ ہذا کے تحت ہم قارئین کرام کو اچھی طرح معلوم ہوا ہوگا کہ تعمیرِ کعبہ شریف کی سعادت ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حصہ میں آئی — اب کعبہ شریف کے متعلق ضمنی طور پر چند تحقیقی باتیں مطالعہ فرمائیے،

سب سے پہلے کعبہ شریف کی بنیاد جناب حضرت آدم علیہ السلام نے خود ڈالی تھی۔ اس کی تشریح علمائے تاریخ اس طرح کرتے ہیں :- کہ جب حضرت آدمؑ زمین پر اترے تو انہوں نے دعا کی کہ پروردگار آسمانوں میں فرشتوں کی تسبیح و تہلیل کا شور سنتا تھا اور وہاں بیت المعمور میں فرشتوں کا طواف اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ یہاں عبادت کرنے والے اور تسبیح پڑھنے والے نظر نہیں آتے۔ حکم ہوا کہ ہم تم کو ایک جگہ کا پتہ بتلاتے ہیں وہاں جا کر خاص میری عبادت کے لئے ایک مکان تعمیر کرو اور اس کے ارد گرد طواف کیا کرو اور اسی (مکان) کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ لیا کرو —" چنانچہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے حکم خدا سے حضرت آدمؑ کو وہ جگہ دکھائی اور فرشتوں نے اس زمین کی بنیاد کھود کر کوہ لبنان، طور، زیتا، طور سینا، جودی، حرا

پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بھر دی۔ جب وہ بنیاد زمین کے برابر ہو گئی تو حق تعالےٰ نے بیت المعمور آسمان سے اتار کر اس بنیاد کے اوپر رکھ دیا۔ آدمؑ اور ان کی اولاد کو حکم ہوا کہ اس کے اردگرد گھومیں اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ طوفان نوحؑ تک حضرت آدم علیہ السلام کی نیکوکار اولاد برابر اس کی طواف کرتی تھی، طوفان نوحؑ کے وقت بیت المعمور پھر آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور اس جگہ ٹیلہ سا دکھائی دیتا تھا مگر اپنے آس پاس کی زمین سے ممتاز تھا۔ بہر کیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے حدود اربعہ کا علم نہ تھا، لہٰذا اللہ تعالےٰ نے ابر کا ایک ٹکڑا بھیجا جس کے سایہ کی مقدار کعبہ کی حد مقرر ہوئی۔ یعنی حضرت جبرئیلؑ نے اس سایہ کے گردش کے اندر ایک خط کھینچا جہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمین کھودنا شروع کیا، یہاں تک کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی قائم کی ہوئی بنیادیں نکل آئیں تو آپؑ نے ان ہی بنیادوں پر کعبہ شریف کی تعمیر شروع کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے بحیثیت معمار اور حضرت اسمٰعیلؑ نے بحیثیت مزدور تعمیر کعبہ شریف مکمل کی۔ حضرت اسمٰعیلؑ کوہِ ابو قبیس و حرا اور ورقان سے پتھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت ابراہیمؑ کو پیش کرتے تھے جس وقت

کعبہ شریف کی تعمیر قد آدم سے اونچی ہوگئی اور پاڑ وغیرہ باندھنے کی ضرورت ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے فرمایا: "میرے لئے ایسا پتھر لاؤ جس پر چڑھ کر باقی عمارت بناؤں۔" حضرت اسمٰعیلؑ کوہ ابو قبیس پر اس قسم کے پتھر کی تلاش میں نکلے، راستہ میں حضرت جبرئیل امین ملے حقیقت حال دریافت کرنے کے بعد جبرئیلؑ نے کہا: کہ آؤ! میں تم کو بڑے عمدہ دو پتھر دکھاتا ہوں۔ (یہ دو پتھر وہ ہیں جو آدمؑ کے ساتھ زمین پر اتارے گئے تھے اور ادریسؑ نے طوفان کے خوف سے ایک کنوئیں میں رکھے تھے) ایک پتھر ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کے لئے لیجاؤ اور دوسرا پتھر کعبہ شریف کے دروازہ کے دائیں طرف نصب کر دیجئے تاکہ جو شخص اس پاک گھر کا طواف کرے وہ اس پتھر کو چوم کر اور بوسہ دیکر طواف شروع کرے۔ (مؤلف)

کچھ ناواقف لوگ کہتے ہیں کہ آخر مسلمان بھی پتھر وں کی پرستش کرتے ہیں، پھر وہ کیوں دوسرے مذاہب کے بت پرستوں کی مذمت کرتے ہیں۔ یہ لوگ مثال میں بھی حجر اسود پیش کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض بے بنیاد اور خلاف واقع ہے کہ مسلمان کبھی بھی پتھر کی پوجا اور پرستش کرتے ہیں خواہ وہ پتھر حجر اسود ہی کیوں نہ ہو۔ اصل میں ان لوگوں کو ایک خاص پتھر کو بوسہ دینے اور اس کی عبادت کرنے میں فرق کرنا نہیں آتا ہے تو یہ ان کی جہالت

اور دانائی کی دلیل ہے۔ اس لئے اہلِ اسلام پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر آپ کیوں حجرِ اسود کو چومتے ہیں۔۔۔؟ جواب:۔ اصل میں حجرِ اسود جنت کا پتھر ہے۔ جیسا کہ اوپر کے تاریخی واقعہ سے معلوم ہوا، چونکہ مسلمانوں کا آشیانہ، دائمی گھر اور اصل وطن جنت ہے، اس لئے مسلمان جب اسے دیکھتا ہے تو اپنے وطن کی چیز سمجھ کر اس سے پیار اور محبت کرتا ہے اور وطن اور ملک کی محترم چیز کی محبت کرنا انسان کا اخلاقی فرض اور طبعی تقاضا ہے، خاص کر مسلمان جو دنیا میں معلمِ اخلاق بن کر ۔۔۔ آیا ہے۔ اس لئے وہ ضابطۂ اخلاق کے خلاف ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ باقی وہ دوست اطمینان رکھیں کہ ہم مسلمانوں کا اعتقاد و ایمان ہے کہ خدائے کعبہ کے سوا کسی چیز کی یا کسی شخص کی عبادت و پرستش کرنا کفر اور شرک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجرِ اسود کو بوسہ دینے سے پہلے فرمایا: "اے پتھر (حجرِ اسود) میں جانتا ہوں کہ تمہیں نفع و نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں، اگر حضرت پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں تمہیں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔"

بہر حال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے یہ دونوں پتھر (جن کی حضرت جبرئیل نے نشاندہی کی ہے۔) لائے۔ ایک یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی دیواریں بناتے تھے۔ یہ پتھر آپ ہی آپ اونچا ہوتا جاتا تھا، یعنی ہوا میں معلق تھا، غالباً یہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے لیے معجزہ تھا۔ اس پر آپ کے پاؤں کی انگلیوں کے نشانات بھی پڑ گئے تھے جو مرورِ زمانہ سے مٹ گئے اور دوسرے پتھر کو آپ نے خانۂ کعبہ کے کونے میں نصب کیا، اُسے عرفِ عام میں حجرِ اسود کہتے ہیں۔

ان دو پتھروں کے متعلق احادیث میں آیا ہے:

"اِنَّ الرُّکْنَ وَالْمَقَامَ یَاقُوْتَتَانِ مِنْ یَاقُوْتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللّٰهُ نُوْرَهُمَا وَلَوْلَمْ یَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَاَضَاءَ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ"

"حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم ؑ جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا نور مٹایا ہے، اور اگر ان کا نور نہ مٹایا جاتا تو ان کے نور سے مشرق و مغرب اور دونوں کا درمیانی حصہ روشن ہو جاتا۔"

دوسری حدیثِ مبارکہ میں حجرِ اسود کے متعلق آیا ہے:

"وَاللّٰهِ لَیَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَهٗ عَیْنَانِ یُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ یَنْطِقُ بِهٖ وَیَشْهَدُ عَلٰی مَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ" (ترمذی و ابن ماجہ)

یعنی:۔ حق تعالیٰ قیامت کے دن حجرِ اسود زندہ اُٹھائے گا، اسے دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی اور بولنے والی زبان

یہ بوسہ دینے والوں کے حق میں گواہی دیگا۔"

گذشتہ اوراق سے معلوم ہوا کہ کعبۂ شریف کی اصلی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے ڈالی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تجدید کی ہے تو اب یہ جو مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۂ شریف کی بنیاد ڈالی ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ کعبہ کو مکان مسقف کی صورت حضرت ابراہیم ؑ نے دی ہے، کیونکہ حضرت آدم ؑ کے وقت صرف بنیاد تھی اور اس پر بیت المعمور (جو بصورت خیمہ یا قوت مجوف) رکھا گیا تھا اور کوئی چیز اس پر نہ تھی ——— غرض یہ وہ متبرک مقام ہے جو یا فلسفہ اور حقیقت شناس حضرات کے خیال کے مطابق سر چشمۂ تجلیات کا سایہ اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کا سمت القدوم ہے وہ ابتداء ہی سے اس دنیا میں رب العالمین کا معبد اور خدا پرستی کا مرکز تھا۔ سب بڑے بڑے پیغمبروں نے اس کی زیارت اور اسکو اپنا قبلہ قرار دیا۔

سب سے پہلا خدا کا گھر جو لوگوں نے دنیا میں بنایا ہے: مجھ

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس کے بنا کا

کعبہ شریف کی تعمیر کا شرف

کس کس کو اب تک حاصل رہا!

خلیل الرحمن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کعبہ شریف کو
قوم عمالقہ نے جرہم نے بنایا۔ اس کے بعد قصی بن کلاب
نے، پھر زمانۂ نبوت میں جب کہ ہمارے شفیق پیغمبر
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر
مبارک پچیس سال کی تھی قریش نے اسے ولید بن مغیرہ کی
سرپرستی میں بنوایا۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ
عنہ نے اس کو بدعات جاہلیت سے نکال کر مطابق حدیث صحیح
بنوایا۔ لیکن تھوڑی مدت کے بعد ہی حجاج بن یوسف نے
اسے منہدم کرایا اور پھر اپنے زمانۂ جاہلیت کے مطابق تعمیر کرایا
اس کے بعد سلطان مراد شاہ نے اسے ۱۰۳۹ھ میں پھر
نئے سرے سے بنوایا، اب تک وہی تعمیر ہے۔ اس کے بعد
کوئی مرمت وغیرہ ہوئی ہو تو اور بات ہے۔

اللہ احقر اور معزز قارئین کرام کو اس کی زیارت
نصیب کرے، آمین یا رب العالمین۔ ع

فی الجملہ نسبتے بتو کافی ہے مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس ہے مرا

قربانی کی اصلیت اور ابتداء

ربّ العالمین کی طرف سے ابراہیمؑ کو ایک اور امتحان و آزمائش

معزز قارئین کرام گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس زندگیاں آغاز سے لیکر انجام تک اور ابتداء سے لیکر انتہا تک اللہ تعالیٰ کے امتحانات اور آزمائشوں میں بسر ہوتی ہیں۔ اور ان کے اعمال و کردار جمہور خلائق کے لئے مشعل راہ حقیقت اور مرقع عبرت ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اشد الناس بلاءً عند اللّٰه الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔" یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سب سے زیادہ انبیاء کرام اور مرسلین عظام کو آزماتا اور امتحان لیتا ہے اور پھر اپنے اپنے قرب و مقام کے لحاظ سے باقی لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے امتحانات سابقہ خلیل الرحمان ؑ کے لئے معمولی اور کچھ کم نہ تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت اور خلت و دوستی سے مشرف فرمایا تھا اور عالم خلائق کے لئے آپ کو امام اور پیشوا بنانا منظور تھا۔ اسی بناء پر اپنی برتری

اور شان کے اعتبار سے امتحانات بھی زیادہ تھے کبھی اپنے باپ اور اپنی قوم سے بحث و مناظرہ کرنا پڑا اور کبھی نمرود کے ساتھ خدائے لاشریک کے لیے شعلہ مارنے والی آگ میں کودنا پڑا، اور کبھی ہجرت اور ترک وطن کے ذریعہ حران، فلسطین اور فاران کی سرزمین کی خاک چھاننی پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ قدرت کی طرف سے کئے گئے امتحانوں اور آزمائشوں میں کامیاب ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے انہیں امامت و پیشوائی کے بلند مقام سے نوازا، جیسا کہ سورہ بقرہ کی اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے: "واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عہدی الظالمین"

اور جس وقت امتحان لیا ابراہیمؑ کا ان کے پروردگار نے چند باتوں کا اور وہ ان کو پورے طور سے بجا لائے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے ان سے فرمایا میں تم کو لوگوں کا مقتدی بناؤں گا، انھوں نے عرض کیا میری اولاد میں سے بھی کسی کو یہ شرف عطا فرمایئے۔ فرمایا اے ابراہیم! یہ عہدۂ نبوت حکم خلاف ورزی کرنے والوں کو نہیں ملے گا۔"

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قدرت کی طرف سے حکم ہوتا ہے ہماری رضا مندی کے لئے اپنے پیارے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربان کر ڈالو۔ اور اسے

ذبح کرو۔ اس امتحان کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ،
حضرت ابراہیمؑ ایک خواب دیکھتے ہیں، اس میں
ایک غیب سے آواز دینے والا پکارتا ہے: اے ابراہیم!
اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو ہماری رضامندی کے لئے
ذبح کرو۔ یہ وہی اسمٰعیل ہیں جن کے لئے نہایت
عاجزی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ
الٰہی میں دعا کی تھی " رَبِّ ھَبْ لِی مِنَ الصّٰلِحِیْن"
اور پھر ایسے وقت میں پیدا ہوئے تھے جب کہ ابراہیمؑ
کی عمر مبارک ستاسی سال کی ہوئی ہے۔ اس بوڑھے
باپ کو اپنے نونہال بیٹے کی جو محبت ہوگی اس کا
اندازہ آپ بھی لگا سکتے ہیں ___ غرض یہ واقعہ
خواب ۸ ذی الحجہ کی شب کو پیش آیا۔ صبح اُٹھے
اور دن بھر سوچتے رہے کہ یہ خواب ارشادِ ربانی ہے
یا اور کسی خیال یا وسوسہ کا نتیجہ ہے۔ شام تک کوئی
حتمی اور یقینی فیصلہ نہ کر سکے اس لئے آٹھویں ذی الحجہ
کو یوم الترویہ کہتے ہیں یعنی غور و فکر اور سوچ و بچار
کا دن۔ نویں ذی الحجہ کی شب میں پھر وہی خواب نظر
آیا جو کل طبعی بے قراری اور پراگندگی کا موجب بنا تھا
اب نویں ذی الحجہ کی صبح ہوئی اور اپنے خواب پر پورا
غور و فکر کیا تو گذشتہ روز کے تمام شکوک و شبہات
دور ہو گئے اور یقین کامل ہوا کہ یہ الٰہی خواب اور

ربانی الہام ہے ، اور ان کی طرف سے بیٹے اسمٰعیلؑ کی قربانی اور ان کے ذبح کا مطالبہ ہے جو خندہ پیشانی اور انبساط قلبی سے پورا کرتا ہے اس لئے نوین تاریخ کو عرفہ کہتے ہیں یعنی یقین و معرفت کا دن۔ دسویں ذی الحجہ کی صبح کو جب آفتاب عالمتاب سطح زمین کو منور کرنے کے لئے مشرق کے اُفق سے ضوء افشانی کرتا ہوا طلوع ہوا اور سر زمین مکہ کے ٹیلوں اور پہاڑوں نے شعاع شمس کا اثر قبول کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت اطمینان اور قرار کے ساتھ اپنے لاڈلے فرزند دلبند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حکم دیتے ہیں کہ چھری اور رسی لے آؤ جنگل سے لکڑیاں لے آتے ہیں۔ سعادت مند فرزند اپنے پدر بزرگوار کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ، باپ بیٹے ایک ساتھ جنگل پہنچ جاتے ہیں۔ مہربان باپ حضرت ابراہیمؑ اپنے نورِ نظر فرمانبردار بیٹے سے خواب کا پورا واقعہ بیان فرماتے ہیں اور اس کا خلاصہ اوّل سے آخر تک سُناتے ہیں۔ پھر بیٹے کی رائے اور ان کا ضمیر دریافت کرتے ہوئے کہتے ہیں: " فانظر ماذا ترٰی "، تم بھی اپنی رائے بتاؤ کہ ربانی حکم کی تعمیل کرتے ہو اور اس راہ میں ذبح ہونے اور قربان ہونے کے لئے تیار ہو۔ قربانی کا نام سُن کر گھبرا جاؤ گے اور اظہار حزن و ملال کرو گے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کی زبان صداقت ترجمان

سے خواب کی کہانی سنتے ہی عبودیت اور ترش روئی کے بغیر پوری
متانت کے ساتھ جواب دیتے ہیں: "یا أبت افعل ما
تؤمر" ابا جان، جو کچھ آپ کو رب العالمین کا حکم ہوا ہے
وہ ضرور پورا کیجئے۔ میں حاضر ہوں، شکوہ کبھی زبان پر نہ لاؤں
گا۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خورد سال نورِ نظر
اور باہمت نوجوان بیٹے کا جواب سن کر مسرور ہوتے ہیں اور
فرماتے ہیں: "نعم العون انت" تم نیک کاموں میں
بہترین مددگار ہو۔" فوراً ان کو ذبح کرنے کے لئے زمین
پر منہ کے بل لٹاتے ہیں "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے نازک حلق مبارک پر چھری
پھیری، اور جلدی جلدی پھیری؛ تاکہ چھری اپنا کام جلد کرے
اور پروردگارِ عالم کا حکم بجا لانے میں دیر نہ لگ جائے۔
ادھر گلستانِ نبوت کے باغبان نے باغیچہ رسالت ع کے نازک
حلق پر چھری چلائی ادھر عالمِ ملکوت میں ایک شورِ محشر بپا
ہوا۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے موقع پر تشریف لاکر
بے اختیار "اللہ اکبر، اللہ اکبر!" کا پُر جوش نعرہ بلند کیا،
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام زمین پر پڑے پڑے: "لا الٰہ الا
اللہ واللہ اکبر" کی پُر تاثیر آواز سے جواب دیتے ہیں اور
حضرت ابراہیم ع اپنے نورِ نظر کی یہ ہمت و دلیری دیکھ کر:
"اللہ اکبر وللہ الحمد" سے اللہ پاک کی عظمت و شان
ظاہر کرتے ہیں۔ الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے نونہال

کے حلق مبارک پر جب خلیل اللہ نے تیز چھری پھیرتے ہیں مگر چھری ابھی قدرت اللہ کے حکم سے بے اثر ہوتی جاتی ہے۔ ابراہیمؑ جب یہ دیکھتے ہیں کہ چھری اپنا کام نہیں کرتی تو اسمعیلؑ کو گدی پر رکھ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر زور آواز سے چلاتے ہیں ادھر قدرت کی طرف سے آواز آئی "قد صدقت الرؤیا" اے ابراہیمؑ! بس بس تم نے اپنا خواب پورا کر دکھایا۔ بس ہمارا منشا اور مقصود آزمائش و امتحان کے سوا اور کچھ نہیں تھا، آپ نے سچے طور سے ہماری فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کا پورا ثبوت دیا اور نہایت سرعت کے ساتھ آسمانی مخلوق کی وساطت سے ایک مینڈھا حضرت ابراہیمؑ کے سامنے قدرت کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جو حضرت اسمعیلؑ کے عوض خلیل اللہؑ کے مبارک ہاتھوں سے ذبح ہوا ہے۔

واضح رہے کہ یہ وہی مینڈھا تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل نے قربان کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبولیت کا شرف عطا فرمایا تھا اور یہ مینڈھا اس وقت جنت کا آب و دانہ کھا کھا کر خوب موٹا اور فربہ ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ یہ مینڈھا ہابیل کے ہاتھوں قربان کیا گیا اور بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوا اور پھر دوسری بار ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے ذبح ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ پوری فرحت و مسرت کے ساتھ اپنے بیٹے اسمعیل علیہ السلام کا ہاتھ پکڑے اور واپس آئے۔

اب آپ نے ٹھیک طور سے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ قربانی کیا تھی اور پھر

سمجھ لیجئے کہ یہ محض خون اور گوشت کی قربانی نہ تھی، یہ خلوص و
ایثار کی قربانی تھی۔ یہ اپنے عزیز ترین متاع کو خدا کے سامنے پیش
کر دینے کی قربانی تھی۔ یہ خدا کی عبودیت اور کامل بندگی کا
بے مثال منظر تھا۔ یہ تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا وہ امتحان تھا
جس کو پورا کئے بغیر دنیا کی پیشوائی اور آخرت کی نیکی مل نہیں
سکتی۔ یہ صرف باپ کا اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے زمین کو
رنگین کر دینا نہ تھا، بلکہ خدا کے سامنے تمام پاک جذبات اور
مقدس خواہشات اور لطیف آرزوؤں اور تمناؤں کی قربانی
تھی اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے اپنے تمام ارادے
اور مرضی ختم کر دینی تھی ـــ جانور کی ظاہری قربانی اسی اندرونی
نقش کا ظاہری عکس ہے ـــ اسی حقیقت کے پیش نظر حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے استطاعت رکھنے والے
امتیوں پر یہ قربانی واجب قرار دی ہے تاکہ ہر سال حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی اس مقدس اور بے مثال قربانی کی یاد
تازہ رہے اور اس کے ذریعہ خدا پرستی اور معرفتِ ربانی
کا سبق ملتا رہے اور سال بھر کا بھولا ہوا سبق پھر یاد آجائے ـــ
افسوس ہے اس بہترین حکمت کے باوجود کہا جاتا ہے کہ ہر سال
قربانی کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ اگر اس میں نصیحت ہے تو عمر بھر میں
ایک مرتبہ کرنا کافی ہے ـــ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں
کہ ہر سال دنیا کی متمدن اور تہذیب یافتہ قومیں اپنے اپنے مذہبی
یا سیاسی رہنماؤں کی پیدائش اور موت کے دن مناتی ہیں اور

اس دن ان کے کارنامے دہرائے جاتے ہیں تاکہ ہر سال قوم کو درس عبرت ملتا رہے۔ پس جب کہ ان ظاہری فائدین کے دن منانے پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو یہاں غریب مذہبی مسلمان پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی تو ان دنوں کے منانے پر لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں وہ بھی اس طور سے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر ملک میں دوسرے ملکوں سے ہر سال ہزاروں مہمان آتے رہتے ہیں اور ان کے جلسوں پر بڑی بڑی رقوم خرچ کی جاتی ہیں حالانکہ اس ملک میں غریب اور محتاج بھی ہوتے ہیں وہاں اعتراض نہیں ہے اور اعتراض تو ہمارے پاک اور مقدس اصول پر کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ قربانی سے مال اور روپیہ کی بربادی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قربانی سے مال کی بربادی نہیں ہوتی بلکہ قربانی سے جس طرح بے پناہ روحانیت کے اسرار اور لاتعداد حکمتیں ہیں اسی طرح قربانی میں اقتصادی اہمیت بھی زیادہ ہے۔ بھیڑ بکریاں پالنے والے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، قربانی کی کھالوں سے مسلمانوں کے مدارس اور خیراتی کاموں میں بڑی مدد ملتی ہے۔ قربانی کے جانوروں کی کھالوں اور چیزوں سے بہت سی صنعتی چیزوں میں ہم فائدہ اٹھاتے ہیں ـــــ الغرض اسلام نے قربانی میں بے شمار روحانی اور اقتصادی منافع ملحوظ رکھے ہیں جو قربانی نہ کرنے پر یا صرف نقد رقم دینے سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتے سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی انقلابی زندگی یاد آتی ہے۔

ــ٥ــ

قربانی کا فلسفہ!

"عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ما عمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اہراق الدم انہ لیاتی یوم القیامۃ بقرونہا و اشعارہا و اظلافہا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع من الارض فطیبوا بہا نفسا۔"
(جامع ترمذی)

ترجمہ:- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قربانی کے دن (بقرعید) اللہ کے نزدیک انسان کا کوئی عمل خون بہانے (قربانی جانور کے) سے زیادہ محبوب اور مرغوب نہیں۔ یہ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور اپنے کھروں کے ساتھ آئے گا۔ نیز خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا خوب خوشی اور دل کھول کر قربانی کیا کرو۔"

اس بارے میں حضرت زید بن ارقم رضؓ حضرت عمران بن حصین وغیرہم سے بھی روایت ہے ــــ اسی کتاب میں دوسری حدیث اس طرح آئی ہے:

"عن علی رضؓ انہ کان یضحی بکبشین احدہما عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والآخر عن نفسہ فقیل لہ فقال

امرنی به یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا ادعہ ابداً

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اور دوسرا اپنی طرف سے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: کہ مجھے اس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، اس لئے میں ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہوں گا کبھی نہ چھوڑوں گا۔

واضح رہے کہ یہ حدیث من جملہ ان دلائل کی ایک دلیل ہے جن سے زندوں کی طرف سے اموات کے لئے ایصال ثواب ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ حدیث غریب ہے مگر اس کے معاضد وجوہ ہیں جس سے اس کی تقویت ہوتی ہے۔

اسی طرح اور احادیث میں آیا ہے کہ قربانی کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر ایک بال کے بدلے ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے سبحان اللہ۔ آپ ان احادیث شریفہ پر غور تو کیجیے کہ اللہ تعالی کی رحمت کتنی وسیع اور بے پایاں ہے کہ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نیکیاں مل جاتی ہیں۔ بھیڑ کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں انہیں کوئی صبح سے لیکر شام تک شمار نہیں کر سکتا۔ پس سوچو تو ایک بھیڑ بکری کی قربانی سے کتنی نیکیاں نامۂ اعمال میں درج ہو جاتی ہیں۔ قربانی کے دن گذرنے کے بعد یہ ثواب ہرگز ہاتھ نہیں آئیگا۔ اور اگر آپ صاحب توفیق ہیں تو پورے یقین و ایمان کے ساتھ اپنی اور اپنے رشتہ داروں جیسے ماں باپ وغیرہ کی

طرف سے بھی قربانی کرلیجیے اور شکوک و شبہات میں نہ پڑیے اور نہ دوسرے مسلمانوں کو وسوسے میں ڈالیے، کہ اگر میت کی طرف سے قربانی کی جائے تو اس کو اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ بلکہ بفضلہ تعالیٰ جس مسلمان میت کی طرف سے آپ قربانی کرلیں گے اس کو اس کا ثواب ضرور ملے گا۔ مگر قربانی کا مقصد ریا، شہرت، عظمت برتری اور اظہار زندگی نہ ہو، اور یہ کہ قربانی کی تقسیم امیروں اور بڑے رشتہ داروں اور کرسی نشینوں تک محدود رہے۔ بلکہ قربانی کا مقصود صرف امتثال حکم ربانی اور اللہ تعالیٰ کی عبودیت و بندگی ہونی چاہیئے۔ اس کے سامنے اپنی عاجزی اور بے چارگی کا تصور ہونا چاہیئے۔ فرض کرو کہ اگر ہم کو بھی جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے جگر پاروں کی قربانی فرض کی جاتی تو ہمیں اپنی اولاد کی قربانی کے لئے بجز کوئی چارۂ کار نہ تھا بس ہم پر کتنا بڑا احسان الٰہی ہے کہ اس مہربان خالق و مالک کائنات نے ہم کو صرف ایک جانور قربان کرنے کا حکم دیا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔

—۵—
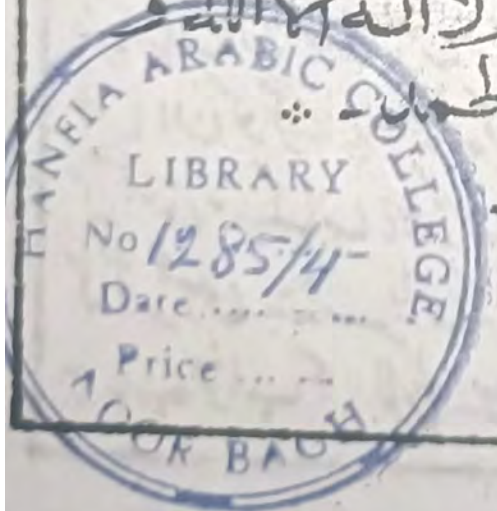
قربانی کا بیان!

قربانی کا بڑا ثواب ہے۔ جناب حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ ان دنوں میں یہ نیک کام سب نیکوں سے بڑھ کر ہے۔ اور قربانی یعنی ذبح کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے وہ زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا خوب خوشی اور دل کھول کر قربانی کیا کرو۔

حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ قربانی کے جانور کے بدن پر جتنے بال (کھال پر جو موئے ہوتے ہیں) ہوتے ہیں، ہر ہر بال کے بدلے میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

سبحان اللہ! بھلا سوچو کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب ہوگا۔ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں اور لاکھوں نیکیاں مل جاتی ہیں۔ بھیڑ کے بدن پر جتنے بھی بال ہوتے ہیں ان کو گننا یا شمار کرنا کس قدر محال ہے۔ بس سوچو کہ کتنی نیکیاں ہوئیں۔ بڑی دینداری کی بات ہے کہ اگر کسی پر قربان کرنا واجب نہ ہو، تب بھی اتنے بے حساب ثواب کی لالچ سے قربانی کر دینا چاہئے۔ کہ جب یہ

دن مل جائیں گے تو یہ دولت کہاں سے نصیب ہوگی۔ اور اتنی آسانی سے اتنی نیکیاں کیسے حاصل ہوں گی اور اگر مالدار ہو تو مناسب ہے کہ اپنی اور اپنے رشتہ داروں جیسے ماں باپ وغیرہ کی طرف سے قربانی کر دے تاکہ ان کی روح کو اتنا بڑا ثواب پہنچ جائے۔ مالدار ہو کر قربانی نہ کرنا بڑی بدنصیبی کی علامت ہے۔ قربانی کا جانور قبلہ رُخ لِٹاتے وقت پہلے یہ دُعا پڑھے:

"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ـــ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ۔" پھر "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ" کہہ کے ذبح کرنے کے بعد یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِکَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ــ"

(مشکوٰۃ ۱۲۹-۱۲۸)

مسائل قربانی

۱۔ جس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اس پر بقر عید کے دنوں میں قربانی کرنا بھی واجب ہے اور اگر اتنا مال نہ ہو جتنے کے ہونے سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے لیکن اگر پھر بھی کر دے تو بہت ثواب پائے گا۔ (درمختار)

۲۔ مسافر پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے (ہدایہ صفحہ ۴۲۹، ج ۴) لیکن اگر مسافر کسی جگہ مقیم ہو جائے تو قربانی اس پر واجب ہے۔ اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے ایام قربانی میں خدانخواستہ قربانی نہ کر سکا اور اگر قربانی کے لئے جانور خریدا تھا تو جانور کو صدقہ کر دے ورنہ جانور کی قیمت صدقہ دے، باختیار اپنے حصے کے۔

۳۔ بقر عید کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے چاہے جس دن قربانی کرے لیکن قربانی کرنے کا سب سے بہتر وقت بقر عید کا دن ہے پھر گیارہویں تاریخ اور پھر بارہویں تاریخ۔ (قدوری)

۴۔ بقر عید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ گاؤں اور دیہات میں نماز فجر کے بعد بھی قربانی کرنا درست ہے۔ شہر اور قصبہ کے رہنے والے نماز کے بعد قربانی کریں۔ (شرح الہدایہ، ص ۴۳۳، ج ۴)

۵۔ اگر کوئی شہری باشندہ اپنی قربانی کا جانور گاؤں میں

بھیجدے تو اس کی قربانی نماز سے پہلے بھی درست ہے۔ اگرچہ خود وہ شہر ہی میں موجود ہو۔ لیکن جب قربانی دیہات میں بھیجدی تو نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہے۔ ذبح ہونے کے بعد اس کو منگوالے اور گوشت کھائے۔ (عالمگیری ص ۱۳۳)

۶۔ بارہویں تاریخ تک سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے قربانی کرنا درست ہے جب سورج ڈوب جائے تو قربانی کرنا درست نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۹۹، ج ۶)

۷۔ دسویں سے بارہویں تاریخ تک جب جی چاہے قربانی کرے چاہے دن میں، چاہے رات میں۔ لیکن رات میں ذبح کرنا بہتر نہیں کہ شائد کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی درست نہیں ہو۔ (عالمگیری ص ۲۹۶، ج ۵)

۸۔ اور کوئی شخص دسویں، گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو سفر میں تھا، پھر بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے گھر پہنچ گیا یا پندرہ دن کہیں ٹھہرنے کی نیت کرلی، تو اب قربانی کرنا واجب ہوگیا۔ اسی طرح اگر پہلے اتنا مال نہ تھا اس لئے قربانی واجب نہ تھی۔ پھر بارہویں تاریخ سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں سے مال مل گیا تو قربانی کرنا واجب ہے۔ (عالمگیری ص ۲۹۴)

۹۔ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا بہتر ہے اگر خود ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو کسی اور سے ذبح کروالے اور ذبح کے وقت وہاں جانور کے سامنے کھڑا ہونا بہتر ہے، اگر عورت

ایسی جگہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے سامنے کھڑی نہیں ہو سکتی تو پھر کچھ حرج نہیں۔ (شرح التنویر صـ ۲۳۳)

۱۰۔ قربانی کرتے وقت زبان سے نیت کرنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ اگر دل میں خیال کر لیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اور زبان سے کچھ نہیں پڑھا۔ فقط بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے ذبح کر دیا تو بھی قربانی درست ہوگی، لیکن اگر یاد ہو تو دعا پڑھ لینا بہتر ہے جو اوپر درج ہے۔ (شامی صـ ۲۷۲)

۱۱۔ قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے اولاد کی طرف سے واجب نہیں۔ بلکہ اگر نابالغ اولاد مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے کرنا واجب نہیں، اپنے مال میں سے نہ اس کے مال میں سے۔ اور اگر کسی نے اس کی طرف قربانی کر دی نفلی ہوگی۔ لیکن اپنے ہی مال میں سے کرے اور اس کے مال میں سے نہ کرے۔ (ہدایہ صـ ۲۲۸، ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب نصاب پر ہر سال اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے اور خود نہ کرنا بلکہ دوسرے کے طرف سے کرنا شریعت کے احکام سے بے خبری کا نتیجہ ہے (ہدایہ)

۱۲۔ بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ اور اونٹنی کی قربانی شرعاً درست ہے (فتاویٰ ہندیہ صـ ۱۲۹)

۱۳۔ گائے، بھینس، اونٹ خواہ نر ہوں یا مادہ کو اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو بھی درست ہے۔ بشرطیکہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب کی نیت

قربانی کرنے یا عقیقہ کی ہو، صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو۔ اگر کسی شریک کا حصہ ساتویں (۱/۷) حصہ سے کم ہو تو ان ساتوں میں سے کسی ایک کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۲۵۳، ج ۵)

۱۴۔ ولو ضلّت او سُرقت فاشترٰی اُخرٰی ثم ظهرت الاُولٰی فی ایّام النحر علی الموسر ذبح احدهما وعلی الفقیر ذبحهما۔ (ہدایہ)

ترجمہ:۔ اگر قربانی کا جانور کھو جائے یا چرایا جائے تو قربانی کرنے والے نے دوسرا جانور (قربانی کے لئے) خریدا پھر قربانی کے دنوں میں کھویا ہوا جانور مل جائے۔ اگر یہ شخص امیر ہو تو اس پر صرف ایک جانور کی قربانی واجب ہے اور اگر مسکین ہو تو وہ دونوں جانوروں کی قربانی کرے (نوٹ)۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ مذکورہ صورت میں غریب کو دونوں جانوروں کو قربانی کرنے کا کیوں حکم ہے؟ جبکہ وہ اس میں زیرِ بار آتا ہے۔

جواب:۔ ہدایہ کے حاشیہ پر زیر ع ۹ مرقوم ہے: "لانّ الوجوب علی الفقیر بالشراء بنیۃ الاضحیۃ والشراء قد تعدّد فیتعدّد الوجوب وعلی الغنی بایجاب الشرع والشرع لم یوجب الا اضحیۃ واحدۃ۔"

ترجمہ:۔ صورت مذکورہ میں فقیر پر قربانی واجب ہونے کی

وجہ یہ ہے کہ اس نے دونوں جانوروں کو قربانی کی نیت
سے خریدا اور خرید و فروخت دو دفعہ پائی گئی اس لئے
وجوب بھی متعدد ہوا۔ اور مالدار پر شریعت کے واجب کرنے
سے قربانی واجب ہوئی اور ظاہر ہے کہ شریعت نے ایک ہی
جانور کی قربانی واجب کی ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں مالدار پر خدا تعالیٰ نے
قربانی واجب کی، پھر مسکین اور غریب نے اپنے اوپر خود
قربانی واجب کی۔ پھر ظالم اور زیربار ہونے کا کیا معنی۔

۱۵۔ اگر گائے میں سات سے کم یعنی پانچ یا چھ آدمی شریک
ہوئے اور کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہیں تب بھی
سب کی قربانی درست ہے۔ اور اگر آٹھ آدمی شریک
ہوئے تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوتی۔ (عالمگیری)

۱۶۔ کسی نے قربانی کے لئے گائے خریدی اور خریدتے وقت
یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور مل گیا تو اس کو بھی اس گائے
میں شریک کر لیں گے اور ساجھے میں قربانی کریں گے۔
اس کے بعد کچھ اور لوگ اس قربانی میں شریک ہوئے
تو درست ہے اور اگر خریدتے وقت اس کی نیت شریک
کرنے کی نہ تھی بلکہ پوری گائے اپنی طرف سے قربانی کرنے
کا ارادہ تھا تو اب اس میں کسی اور کا شریک ہونا بہتر
تو نہیں لیکن اگر کسی کو شریک کر لیا۔ تو دیکھنا چاہئے کہ
جس نے شریک کیا وہ امیر ہے کہ اس پر قربانی واجب ہے

یا غریب ہے کہ جس پر قربانی واجب نہیں، اگر امیر ہے تو درست ہے اگر غریب ہے تو درست نہیں ہے۔
(فتاویٰ ہندیہ ص ۲۰۴ جلد ۵)

۱۷۔ اگر قربانی کا جانور کہیں گم ہو گیا اور دوسرا خریدا پھر وہ پہلا بھی مل گیا۔ اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہوا تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے۔ اور اگر غریب آدمی کو ایسا اتفاق ہوا تو دونوں جانوروں کی قربانی اس پر واجب ہو گی۔ (ہدایہ ص ۴۳۳)

۱۸۔ سات آدمی گائے میں شریک ہوئے تو گوشت بانٹتے وقت اٹکل سے نہ بانٹیں بلکہ خوب تول کر بانٹیں، اگر کسی کا حصہ کم یا زیادہ ہو گا تو یہ سود ہو جائے گا اور گناہ ہو گا البتہ اگر گوشت کے ساتھ کلّے پائے اور کھال کو بھی شریک کر لیا تو جس طرف کلّہ پائے اور کھال ہو اس طرف اگر گوشت کم ہو درست ہے چاہے جتنا کم ہو۔ جس طرف گوشت زیادہ تھا اس طرف کلّہ پائے شریک کئے تو بھی سود ہوا اور گناہ ہو گا۔ (درمختار ص ۲۲۲ ج ۲)

۱۹۔ بکری سال بھر سے کم کی درست نہیں جب پورے سال بھر کی ہو تب قربانی درست ہے۔ اور گائے بھینس دو برس سے کم کی درست نہیں، پورے دو برس کی عمر ہو چکے تب قربانی درست ہے۔ اور اونٹ پانچ برس سے کم کا درست نہیں۔ اور اگر دنبہ یا بھیڑ اتنا خوب تازہ

ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو، اور سال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دیا جائے تو کچھ فرق معلوم نہ ہوتا ہو تو ایسے وقت چھ ماہ کے دنبہ اور بھیڑ کی قربانی بھی درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو سال بھر کا ہونا چاہیئے۔ (بحر الرائق)

۲۰۔ جو جانور اندھا یا کانا ہو، ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو۔ یا ایک کان کا تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو۔ یا دم کا تہائی حصہ یا تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو۔ تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں۔ (شامی ص ۳۱۶ ج ۵) ہاں اگر جانور میں صرف اس قدر عیب ہے یا تو سینگ نہیں، بدھیا یا دبلا نہ ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

۲۱۔ جو جانور اتنا لنگڑا ہو کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے چوتھا پاؤں زمین پر رکھا ہی نہیں، یا رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا۔ اس کی بھی قربانی درست نہیں۔ اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے اور چلنے میں اس سے سہارا لگتا ہے لیکن لنگڑا کر کے چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔ (شامی ص ۲۸۲ ج ۵)

۲۲۔ اتنا دبلا اور مریض جانور جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ رہا ہو اس کو قربانی درست نہیں ہے اور اگر اتنا دبلا نہ ہو تو دبلا ہونے سے کچھ حرج نہیں اسکی قربانی درست ہے لیکن موٹے تازہ جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے (عالمگیری)

۲۳۔ جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں ہے اور کچھ دانت گر گئے جتنے دانت گر گئے ہیں اس سے زیادہ باقی ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔ (درمختار)

۲۴۔ جس جانور کے پیدائش ہی سے کان نہ ہوں اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے اور اگر کان تو ہیں لیکن بالکل ذرا ذرا سے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔ (درمختار)

۲۵۔ جس جانور کے پیدائش ہی سے سینگ نہیں ہوں یا سینگ تو تھے لیکن ٹوٹ گئے اس کی قربانی درست ہے البتہ اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہیں تو قربانی درست نہیں (ردالمحتار)

۲۶۔ خصی یعنی بدھیا بکرے مینڈھے کی قربانی درست ہے جس جانور کی خارش ہو اس کی قربانی بھی درست ہے اگر کھجلی کی وجہ سے جانور بالکل کمزور ہو گیا ہو تو قربانی درست نہیں۔ (ہدایہ، ص۴۳۲، ج ۴)

۲۷۔ اگر جانور قربانی کے لئے خرید لیا تب کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس سے قربانی درست نہیں تو اس کے بدلے دوسرا جانور خرید کر کے قربانی کرے۔ ہاں اگر غریب آدمی ہو جس پر قربانی کرنا واجب نہیں تو اس کے واسطے درست ہے کہ وہی جانور قربانی کر دے۔ (درمختار ص۲۲۲)

۲۸۔ قربانی کا گوشت خود کھائے اور اپنے رشتہ ناطے کے لوگوں کو دیدے اور فقیروں و محتاجوں میں خیرات کرے۔ بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تہائی حصہ خیرات کرے۔ خیرات میں تہائی

سے کم نہ کرے۔ لیکن اگر کسی نے تھوڑا ہی گوشت خیرات کیا تو بھی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ (فتح الہدایہ)

۲۹۔ قربانی کی کھال یا تو یوں ہی خیرات کرے اور یا بیچ کر اس کی قیمت خیرات کرے وہ قیمت ایسے لوگوں کو جو مستحق زکوٰۃ ہوں اور قیمت میں جو پیسے ملے ہیں بعینہٖ وہی پیسے خیرات کرنی چاہییں اگر وہ پیسے کسی کام میں خرچ کر ڈالے اور اتنے ہی پیسے اپنے پاس سے دیدے تو بڑی بات ہے مگر ادا ہو جائیں گے۔ (درمختار ص۲۳۴ ج ۲)

۳۰۔ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد شریف کی مرمت یا اور کسی نیک کام میں لگانا درست نہیں ہے خیرات ہی کرنا چاہیے۔ (شرح التنویر ص۳۲۱ ج ۵)

۳۱۔ اگر کھال کو اپنے ذاتی کام میں لانا مقصود ہو، جیسے اس کی چھلنی بنوالی یا مشک یا ڈول یا جائے نماز بنوالی یہ بھی درست ہے۔ (درمختار ص۲۳۴ ج ۲)

۳۲۔ کچھ گوشت یا چربی یا چھیچھڑے قصائی کو مزدوری میں نہ دے بلکہ مزدوری اپنے پاس سے الگ دے۔ (شرح التنویر ج ۱)

۳۳۔ قربانی کی رسی، جھول وغیرہ سب چیزیں خیرات کرے۔ (شامی)

۳۴۔ کسی پر قربانی واجب نہ تھی لیکن اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہو گئی۔ (درمختار ص۲۳۲ ج ۲)

۳۵۔ کسی شخص پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن

گذر گئے اور اُس نے قربانی نہیں کی تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دے اور اگر بکری خرید لی تھی تو بعینہٖ بکری خیرات کر دے۔ (شامی ص ۲۸۰ ج ۵)

۳۶۔ جس نے قربانی کرنے کی منّت مانی پھر وہ کام پورا ہو گیا، جس کے لئے منّت مانی تھی اور اس کا نتیجہ اُن کی نیت کے مطابق ہوا۔ تو اب قربانی کرنا واجب ہے خواہ نیت کرنے والا مالدار ہو یا نہیں، اور منّت کی قربانی کا سب ہی گوشت فقیروں کو خیرات کر دے۔ نہ آپ کھائے اور نہ امیروں کو دے۔ جتنا آپ کھایا ہو یا امیروں کو دیا ہو اُتنا پھر خیرات کرنا پڑے گا۔ (شامی)

۳۷۔ اگر اپنی خوشی سے کسی مُردے کو ثواب پہنچانے کے لئے قربانی کر دے تو اس کے گوشت میں سے خود کھانا کھلانا یا بانٹنا سب درست ہے۔ جس طرح اپنی قربانی کا حکم ہے۔ (ردالمختار ص ۲۲۸)

۳۸۔ لیکن اگر کوئی مُردہ وصیّت کر گیا ہو کہ اُس (مرنے کے) ترکہ میں سے اُس کی طرف سے قربانی کی جائے، اور اس کی وصیّت پر اُس کے مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کے تمام گوشت وغیرہ کا خیرات کر دینا واجب ہے (شامی)

۳۹۔ اگر کوئی شخص یہاں موجود نہیں اور دوسرے آدمی نے اس کی طرف سے بغیر اُس کے امر (اجازت) کے قربانی کر دی تو یہ قربانی درست نہیں ہوئی اور اگر کسی جانور

میں کسی غائب کا حصہ بدون اس کے امر کے تجویز کر لیا تو اور حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی۔
(عالمگیری ص ۳۰۲ ج ۵)

۴۰۔ اگر کوئی جانور کسی کو حصہ پر دیا ہے تو یہ جانور اُس پرورش کرنے والے کی ملکیت نہیں ہوا بلکہ اصل مالک کا ہی ہے، اس لئے اگر کسی نے اُس پالنے والے سے خرید کر قربانی کر دی تو قربانی نہیں ہوئی۔ اگر ایسا جانور خریدنا ہو تو اصل مالک سے جس نے حصہ پر دیا ہے خرید لیں۔
(عالمگیری ص ۲۷۱ ج ۵)

۴۱۔ اگر ایک جانور میں کئی آدمی شریک ہیں اور وہ سب گوشت کو آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ یکجا ہی فقراء و احباب میں تقسیم کرنا یا پکا کر کھانا چاہیں تو وہ بھی جائز ہے۔ اگر تقسیم کریں تو اس میں برابری ضروری ہے۔

۴۲۔ قربانی کا گوشت کافر کو دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ اُجرت میں نہ دیا جائے۔

۴۳۔ اگر کوئی جانور گابھن ہو تو اس کی قربانی جائز ہے پھر اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کرنا چاہیئے۔

مسائل قربانی کے بارے میں مزید چند اہم سوال و جواب

سوال :۔ میت کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟
جواب :۔ میت کی طرف سے اور میت کے لئے قربانی

کر سکتے ہیں اور اس کی چند صورتیں ہیں :

(۱) میت نے وصیت کی ہو کہ میرے مال سے میری طرف سے قربانی کر دینا، اور وصیت کے مطابق اسی کے مال میں سے قربانی کرے تو جائز ہے۔ مگر قربانی کا تمام گوشت وغیرہ حقداروں کو (جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں) صدقہ کر دینا واجب ہے — شامی میں ہے : (وعن میت) ای ضحی عن میت وارثہ بامرہ الزمہ بالتصدق بہا وعدم الاکل منہا (شامی ص ۲۹۳ ج ۵)

(۲) میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، ان کے عزیز واقارب یا احباب اپنے پیسوں سے نفل قربانی کر دیں تو درست ہے اور اس کا گوشت سب امیر وغریب کھا سکتے ہیں :

"وان تبرع بہا عنہ لہ الاکل لانہ یقع علی ملک الذابح والثواب للمیت" (شامی ص ۲۹۳ ج ۵)

(۳) اپنے مال سے اور نام سے نفل قربانی کرے اس کا ثواب ایک یا ایک سے زائد میت کو بخش دے تو یہ بھی درست ہے اور اس گوشت بھی امیر وغریب سب کھا سکتے ہیں۔

(۲۵) سوال : میت کو ایصال ثواب کے لئے پیسہ صدقہ کرنا بہتر ہے یا ان پیسوں سے قربانی کرکے ایصال ثواب کرنا افضل ہے ؟

جواب :— ایام نحر میں پیسہ وغیرہ صدقہ کرنے سے قربانی کرنا اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا افضل ہے۔ کیونکہ

صدقہ خیرات میں فقط مال ادا کرنا ہے اور قربانی میں مال اسکا ادا کرنا بھی ہے اور فداء کرنا بھی، یعنی دو مقصد پائے جاتے ہیں۔ خلاصۃ الفتاوی میں ہے: "شراء الاضحیۃ بعشرۃ اولی من ان یتصدق بالف لان القربۃ التی تحصل باراقۃ الدم لاتحصل بالصدقۃ" (خلاصۃ الفتاوی ص ۳۲۰ ج ۴) یعنی: دس درہم کا جانور خرید کر قربانی کرنا بہتر ہے اس سے کہ ہزار درہم صدقہ کر دیں، اس لئے کہ ایام نحر میں جو قربت اراقت دم سے (ذبح کرنے سے) حاصل ہوتی ہے وہ صدقہ سے کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔

● (۳) سوال:۔ میں امیر ہوں، مجھ پر قربانی واجب ہے اور میری چھوٹی اولادیں ہیں تو ان کی طرف سے مجھ پر قربانی کرنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ واجب نہیں مستحب ہے: "وفی الولد الصغیر عن ابی حنیفۃ روایتان فی ظاہر الروایۃ یستحب ولا یجب بخلاف صدقۃ الفطر۔" (فتاوی قاضیخان ص ۲۴۳)

● (۴)۔ سوال:۔ اپنی اہلیہ کی طرف سے مجھ پر قربانی کرنا واجب ہے؟

جواب:۔ واجب نہیں ہے۔

● (۵)۔ سوال:۔ جس کے پاس دو دکان ہوں ایک میں

خود قیام پذیر ہو اور دوسرا کرایہ پر دیا ہو تو قربانی کے متعلق مالداری میں اس گھر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، یا نہیں؟

جواب :- دوسرا مکان کرایہ دے یا نہ دے، قربانی و صدقہ فطر کے سلسلہ میں تکمیل النصاب میں اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔ کیونکہ یہ اس کی ضرورت سے زیادہ ہے۔

(۶) - سوال :- جو بکرا گزشتہ سال عید کے روز پیدا ہوا ہو، اس سال اس کی قربانی کر سکتے ہیں؟

جواب :- اس بکرے کی قربانی امسال عید کے دوسرے دن کر سکتے ہیں۔ قربانی ادا ہو جائے گی۔ اگر احتیاطاً اس کو چھوڑ کر دوسرا بکرا تجویز کر لیا جائے تو بہتر ہے۔

(۷) - سوال :- وجوب قربانی کے لئے مالدار ہونے کا اعتبار قربانی کے اول دن کا ہے یا آخری دن کا؟ بعض کہتے ہیں کہ عید کے دن صبح کے وقت جو مالدار ہو گا اس پر قربانی واجب ہے۔ بعد میں مالدار ہونے سے قربانی واجب نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب :- آخری دن کا اعتبار ہے۔ اگر وہ شخص پہلے روز غریب ہو یا مسافر یا کافر (معاذ اللہ) مگر قربانی کے آخری دن یعنی ایام نحر گزرنے سے قبل غریب مالدار ہو گیا اور مسافر مقیم بن گیا یا کافر مسلمان ہو گیا (بشرطیکہ وہ مالدار بھی ہو) تو قربانی واجب ہو جائے گی ــــــ

فتاویٰ عالمگیری میں ہے : "حتی لو کان کافراً فی اول الوقت ثم اسلم فی آخرہ تجب علیہ (الی قولہ) حتی لو کان مسافراً فی اول الوقت ثم اقام فی آخرہ تجب علیہ (الی قولہ) حتی لو کان فقیراً فی اول الوقت ثم ایسر فی آخرہ تجب علیہ" (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۹۲ ج ۵)

(۸) سوال :- ایام نحر میں شک ہو گیا کہ بارھویں ذی الحجہ ہے یا تیرھویں، تو قربانی کا کیا حکم ہے ؟

جواب :- صورت مسئولہ میں تیسرے روز تک تاخیر نہ کرے۔ تاخیر ہو جانے کی صورت میں قربانی کرکے سب گوشت کا صدقہ کرنا مستحب ہے : "واذا شک فی یوم الاضحیٰ فالمستحب ان لا یوخر الی الیوم الثالث فان آخر یستحب ان لا یاکل منہ ویتصدق بالکل الخ..." (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۹۵، ج ۵)

(۹) سوال :- تکبیر تشریق کی اصلیت کیا ہے ؟

جواب :- فقہاء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ تکبیر تشریق کی اصلیت یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے لٹایا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو حکم دیا کہ فدیہ لے کر جاؤ۔ جبرئیل علیہ فدیہ لیکر آئے تو اس ڈر سے کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل کو ذبح کر ڈالیں گے، اللہ اکبر!

اللہ اکبر!! پکارنے لگے۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ آواز سنی، تو بشارت سمجھ کر پکار اٹھے " لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر"۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سمجھے کہ فدیہ آگیا تو " اللہ اکبر و للہ الحمد" کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنے لگے۔ (شامی صفحہ ۵۸۵ ج ۱)

(نوٹ)۔ ہمارے ملک اور دیگر ممالک کے بہت سے علماء کا فتویٰ یہی ہے کہ اگر بھیڑ فربہ ہو اور موٹا تازہ ہو تو چھ ماہ کا بھی کافی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اور "مسائل قربانی" میں لکھا ہے۔ اسی کے مطابق ہمارے یہاں فتویٰ دیا جاتا ہے لیکن علامہ لکھنویؒ اور دیگر فقہاء کرام جیسے علامہ شامیؒ وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ ماہ کا بھیڑ قربانی کے لئے کافی نہیں ہے۔ صرف چھ ماہ کا دنبہ ہی قربانی کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتویٰ مولانا عبد الحی لکھنویؒ) لہٰذا ہم علامہ لکھنویؒ و شامیؒ وغیرہم کی مختصر عبارات پیش کرتے ہیں تاکہ محتاط حضرات علماء کرام اس پر غور کریں گے۔ عوام کو اس سے تعلق نہیں۔ عبارت یہ ہے:

" ومن سنن الاسلام التضحیۃ بالانعام بالجذع من الضان وھو ما تم لہ ستۃ اشھر وقیل سبعۃ وبالثنی فصاعداً"۔

ذبح کے متعلق

ذبح کرنے کا طریقہ مسنونہ یہ ہے کہ مسلمان حلال جانور کا منہ قبلہ کی طرف کر کے تیز چھری ہاتھ میں لیکر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر اس کے گلے کو کاٹے یہاں تک کہ جانور کی چاروں رگیں کٹ جائیں ــــ ایک نرخرہ، یہ وہ رگ ہے جس سے جانور سانس لیتا ہے ــــ دوسری وہ رگ ہے جس سے اس کے معدہ میں دانہ پانی جاتا ہے، اس کو فقہائے اسلام المری کہتے ہیں ــــ تیسری اور چوتھی دو شہ رگیں جو نرخرہ کے دائیں اور بائیں ہوتی ہیں، جن کو ودجان کہتے ہیں۔ اگر ان چاروں سے تین ہی رگیں کٹ جائیں تب بھی ذبح درست ہے جیسا کہ کنز الدقائق میں ہے: "وقطع الثلاث کاف" اور دو ہی رگیں کٹ جائیں تو وہ جانور مردار ہو گیا اس کا کھانا درست نہیں۔ یہی صحیح احادیث سے ثابت ہے الا عند الشافعی۔ اگر ذبح کے وقت قصداً بسم اللہ نہیں کہا تو وہ جانور مردار ہو گیا اور اگر بسم اللہ کہنا بھول گیا تو وہ جانور شرعاً حلال ہے۔ جیسا کہ ہدایہ فقہ کے ص ۴۲۳ پر ہے: "وان ترک الذابح التسمیۃ عمداً فالذبیحۃ میتۃ لا تؤکل وان ترکہا ناسیاً اُکل" کہ اگر ذبح کرنے والے ذبح کے وقت قصداً بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو وہ جانور مردار ہو گیا اس کا کھانا جائز نہیں اور اگر اس نے بھول کر بسم اللہ چھوڑ دیا

زدہ جانور حرام نہیں — کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ اور منع ہے کیونکہ اس سے جانور کو بہت تکلیف ہوتی ہے (علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ ذبح کیا ہوا جانور کو ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کا چمڑا اتارنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور چاروں رگوں کے بعد جانور کا گلا کاٹنا سب مکروہ ہے۔ عام طور پر اس زمانہ کے قصائی ایسا کرتے ہیں۔ اس سے احتیاط اور پرہیز کرنا چاہیئے) ذبح کرتے وقت اگر مرغی کا گلا کٹ گیا تو اس کا کھانا درست ہے، مکروہ بھی نہیں۔ البتہ اتنا زیادہ ذبح کرنا مکروہ ہے مگر مرغی مکروہ نہیں ہے۔ ایسا ہی قدوری اور ہدایہ میں ہے۔ ہدایہ کی عبارت اس طرح ہے: "ومن بلغ بالسکین النخاع او قطع الرأس کرہ لہ ذالک و تحل ذبیحتہ" اگر کسی نے غلطی یا نااہلی کے سبب جانور کو گردن کی ذبح کیا مگر ابھی جانور زندہ ہی تھا کہ پھر اسے مشروع طریقہ سے حلق کی طرف ذبح کیا اور وہ رگیں کاٹ دیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو اب ذبح درست ہو گیا اور جانور حلال ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ ہدایہ فقہ میں اس طرح ہے: ہاں اگر گردن کی طرف ذبح کیا کہ جانور ختم ہو گیا تو اب اس کے حلق پر چھری پھیرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جانور بالکل حرام ہو گیا۔"

یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر مسلمان کا ذبح کرنا درست ہے چاہے مرد کرے یا عورت، پاک ہو یا ناپاک۔ کافر کا ذبح

کیا ہوا جانور حرام ہے۔ اسی طرح اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا ذبح بھی درست اور جائز ہے، بشرطیکہ وہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا کریں۔ یہ حکم نصِ قطعی سے ثابت ہے جیسا کہ "وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم" ہدایہ کے حاشیہ ۱۲ بحوالہ علامہ زیلعی مرقوم ہے۔ اس آیت میں طعام سے ذبح مراد ہے ـــــــ مجوسی آتش پرستوں بت پرستوں مرتدوں جن میں احمدی (مرزائی) بھی شامل ہیں، ان کا ذبح کیا ہوا جانور حلال نہیں۔ پھر بھی اس مسئلہ کے متعلق علماءِ حق سے دریافت کریں۔ انشاءاللہ اُن کا بھی جواب یہی ہوگا۔ ـــــــ
کل ذالک من الھدایۃ اور احمدی (مرزائی) باتفاق اہلِ سنت والجماعت مرتدین کے حکم میں داخل ہیں۔ اس بارے میں مرتد ہی ان کی طرفداری کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیزاری مول لے سکتا ہے۔ معاذ اللہ من ذالک ـــــــ ہدایہ فقہ میں لکھا ہے کہ ذبح کے وقت صرف بسم اللہ اللہ اکبر پر کفایت کرنا چاہیے۔ حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو ذبح کے وقت چھینک آ جائے تو اس نے الحمدللہ کہا، اور بسم اللہ اللہ اکبر نہیں کہا۔ فرماتے ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ جانور حرام ہو گیا ہے ـــــــ ملاحظہ ہو ہدایہ فقہ کی اصلی عبارت: "والشرط ھو الذکر الخالص المجرد علی ما قال ابن مسعود رض جردوا التسمیۃ حتی لو قال عند الذبح اللھم اغفرلی

لا یحلُّ لانّہٗ دعاءٌ وسوالٌ ولو قال الحمدُ للہ او سبحان اللہ یریدُ التسمیۃ حلّ ولو عطس عند الذبح فقال الحمدُ للہ لا یحلّ فی اصحّ الروایتین ... الخ"

ترجمہ:- ذبح میں شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا بوقت ذبح خالص اللہ تعالیٰ کے نام پاک مشہور طریقہ پر زبان سے کہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ذبح کے وقت صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہو اور فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کرنے والا بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کے اللّٰھم اغفر لی کہے، تو جانور حرام ہو گیا۔ کیونکہ یہ دعا اور سوال ہے اور اس سے تعظیم الٰہی مقصود نہیں، ہاں! اگر ذبح کے وقت کوئی الحمدُ للہ یا سبحان اللہ کہے اور اس سے بسم اللہ کا معنی مراد لے تو ذبح جائز ہو گیا اور جانور حلال اگر ذبح کے وقت اسے چھینک آ جائے تو اس نے الحمد للہ کہا اور بسم اللہ اللہ اکبر چھوڑ دیا۔ تو صحیح روایت یہ ہے کہ وہ جانور حلال نہیں۔ (پوری تفصیل کے لئے دیکھئے ہدایہ صفحہ ۴۳۴)

اسی طرح اگر گونگا ذبح کرنا جانتا ہو تو اس کا ذبح درست ہے کہ وہ دل سے بسم اللہ اللہ اکبر کہتا ہے۔

وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی تشریح و تفسیر!

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جانور کسی ولی یا دوست خدا

کے نام پر بعض عوام مسلمین رکھتے ہیں اور ذبح کے وقت
مطابق شرع اس پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں اس سے
ان لوگوں کا مقصود اس بزرگ کو ثواب پہنچانے کے سوا کچھ
نہیں ہوتا جس کی طرف وہ اس جانور کو عارضی نسبت
کرتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا جانور شرعاً حلال ہو جاتا
ہے یا حرام، یعنی اس نسبت کی وجہ سے ایسے جانور پر حرام ہونے
کا حکم لگایا جا سکتا ہے یا یہ کہ ایسا جانور علیٰ حالہ اور اپنی حلت
شرعی پر دائم و قائم رہتا ہے تو اس قسم کے جانور کے متعلق دو
متضاد جواب دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک گروہ بے سوچے
سمجھے اور کلام الٰہی پر غور و فکر کیے بغیر ایسے جانور کو حرام بتاتا
اور وہ بزعم خود ایسے جانور کو "وَمَا اُهِلَّ بِهٖ
لِغَیْرِ اللّٰهِ" پر چسپاں کرتے ہیں ۔۔۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:
اور تم پر وہ جانور حرام کیا گیا جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ
کا نام لیا جائے۔" جیسا کہ مشرکین عرب کا دستور تھا۔ چنانچہ
مفسر حضرت علاء الدین بن محمد ابراہیم البغدادی الصوفی اپنی
شہرۂ آفاق تفسیر "لباب التاویل" میں اس کی تفسیر اس طرح کرتے
ہیں: "وَمَا ذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ وَالطَّوَاغِیْتِ وَاَصْلُ الْاِهْلَالِ
رفع الصوت وذلک انهم کانوا یرفعون اصواتهم بذکر
آلهتهم اذا ذبحوا لها فجرى ذلك مجرى امرهم وحالهم حتى
قیل لکل ذابح مُهِلٌّ وَاِنْ لم یجهروا بالتسمیه" (خازن ص ۱۱۹)
"وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ" سے مراد وہ جانور ہیں جو بتوں

اور شیطانوں کے نام پر ذبح کئے جائیں۔ مفسرین کہتے ہیں۔ اہلال کا اصل معنیٰ آواز بلند کرنے کا ہے۔ وہ اس طرح کہ اہل عرب ذبح کے وقت اپنے بتوں کے نام اونچی آواز سے لیتے تھے۔ اب ہر ذبح کرنے والے کو مہل کہتے ہیں، اگرچہ وہ بسم اللہ نہ بھی پڑھے پس اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ وہ جانور قطعاً حرام ہے کہ جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پڑھا جائے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ زیر بحث سوال کو اس آیت سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس سے متعلق جانوروں کی حرمت پر استدلال کیا جائے۔ حرمت ثابت کرنے کے لئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت کا حکم ہونا چاہئے۔ آیت اگرچہ قطعی الثبوت ہے مگر اس مطلب پر قطعی الدلالت نہیں ہے۔ لہٰذا اس آیت سے مذکورہ جانور کی حرمت ثابت کرنا سینہ زوری اور بلادت و حماقت ہے۔

اسی طرح تاج علماء متاخرین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں "وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

"اور وہ جانور حرام ہے تم پر، جس پر آواز اٹھا دیں یعنی کہیں اس کو ذبح کرنے کے وقت نام سوائے نام خدا کے تعالیٰ کے اور کسی کا۔"

اسی طرح محدث دہلوی نے نام میں "وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا"
تو شاہ صاحب رح سے بڑھ کر علم و فقاہت میں کون ہو سکتا ہے۔
لہذا جو حلال جانور عوام مسلمین ایصال ثواب کی غرض سے کسی صاحب
کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ذبح کے وقت شرعی دستور کے مطابق
اس پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔ اس کے حلال ہونے میں کسی
قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا حلال جانور "وما اھل
بہ لغیر اللہ" میں قطعاً داخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مشرکین عرب
کبھی بھی ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر نہیں پڑھتے تھے۔
برخلاف اہل اسلام وہ تو بحمد اللہ مطابق معہود دستور
شرعی کے اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ذبح کے وقت لیتے ہیں۔ پس
مسلمانوں پر زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے احکام چسپاں کرنا اور
ان کے حلال جانوروں کو حرام قرار دینا اپنی لاعلمی و نادانی کا
ثبوت دینے کے مترادف ہے۔ اگر قیامت تک یہ لوگ کوشش
کریں گے کہ مذکورہ جانور کو مذکورہ آیت کی زد میں لانے کی" تو
"فلن تفلحوا اذاً ابداً" تو اس میں از روئے انصاف کبھی
کامیاب نہیں ہوں گے۔ پھر یاد رکھئے کہ جو لوگ اس تشریح کے
بعد بھی مذکورہ جانور کے حرام ہونے کی رٹ لگائیں گے تو انہیں
خطرہ ہے کہ وہ منکرین قرآن کی فہرست میں کہیں داخل نہ ہو
جائیں۔ کیونکہ نص قرآنی ہے " فکلوا مما ذکر اسم اللہ
علیہ" کہ جب حلال جانور پر ذبح کے وقت معہود طریقہ سے بسم
اللہ اللہ اکبر پڑھی جائے اس میں سے کھاؤ۔ یہ آیت مطلق ہے

"و آنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا"

تو شاہ صاحبؒ سے بڑھ کر علم و فقاہت میں کون ہو سکتا ہے۔
لہٰذا جو حلال جانور عوام مسلمین ایصال ثواب کی غرض سے کسی صاحب
کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ذبح کے وقت شرعی دستور کے مطابق
اس پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔ اس کے حلال ہونے میں کسی
قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا حلال جانور "وما اُھلّ
بہ لغیر اللہ" میں قطعاً داخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مشرکین عرب
کبھی بھی ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر نہیں پڑھتے تھے۔
برخلاف اہل اسلام وہ تو بحمد اللہ مطابق معہود دستور
شرعی کے اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ذبح کے وقت لیتے ہیں۔ پس
مسلمانوں پر زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے احکام چسپاں کرنا اور
ان کے حلال جانوروں کو حرام قرار دینا اپنی لاعلمی و نادانی کا
ثبوت دینے کے مترادف ہے۔ اگر قیامت تک یہ لوگ کوشش
کریں گے کہ متنازع جانور کو مذکورہ آیت کی زد میں لانے کی "قد
علت افلحوا اذا ادلا" تو اس میں از روئے انصاف کبھی
کامیاب نہیں ہوں گے۔ پھر یاد رکھیے کہ جو لوگ اس تصریح کے
بعد بھی مذکورہ جانور کے حرام ہونے کی رٹ لگائیں گے تو انہیں
خطرہ ہے کہ وہ منکرین قرآن کی فہرست میں کہیں داخل نہ ہو
جائیں۔ کیونکہ نص قرآنی ہے " فکلوا مما ذکر اسم اللہ
علیہ" کہ جب حلال جانور پر ذبح کے وقت معہود طریقہ سے بسم
اللہ اللہ اکبر پڑھی جائے اس میں سے کھاؤ۔ یہ آیت مطلق ہے

"وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا"

تو شاہ صاحبؒ سے بڑھ کر علم و فقاہت میں کون ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جو حلال جانور عوام مسلمین ایصال ثواب کی غرض سے کسی صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ذبح کے وقت شرعی دستور کے مطابق اس پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔ اس کے حلال ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا حلال جانور "وما اھل بہ لغیر اللہ" میں قطعاً داخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مشرکین عرب کبھی بھی ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر نہیں پڑھتے تھے۔ برخلاف اہل اسلام وہ تو بحمد اللہ مطابق معہود دستور شرعی کے اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ذبح کے وقت لیتے ہیں۔ پس مسلمانوں پر زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے احکام چسپاں کرنا اور ان کے حلال جانوروں کو حرام قرار دینا اپنی لاعلمی و نادانی کا ثبوت دینے کے مترادف ہے۔ اگر قیامت تک یہ لوگ کوشش کریں گے کہ متنازع جانور کو مذکورہ آیت کی زد میں لانے کی تو "فلن تفلحوا اذاً ابداً" تو اس میں از روئے انصاف کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ پھر یاد رکھیے کہ جو لوگ اس تصریح کے بعد بھی مذکورہ جانور کے حرام ہونے کی رٹ لگائیں گے تو ہمیں خطرہ ہے کہ وہ منکرین قرآن کی فہرست میں کہیں داخل نہ ہو جائیں۔ کیونکہ نص قرآنی ہے "فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ" کہ جب حلال جانور پر ذبح کے وقت معہود طریقہ سے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھی جائے اس میں سے کھاؤ۔ یہ آیت مطلق ہے

کہ ذبح کے وقت بسم اللہ حلت کے لئے کافی ہے۔ پس جس چیز کو ربّ العالمین نے حلال قرار دیا کس کی طاقت اور مجال ہے کہ اسے حرام قرار دے۔

اس تشریح سے آیت "وما اھل بہ لغیر اللہ" اور آیت "فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ" میں جو بظاہر تعارض اور ٹکراؤ دکھائی دیتا ہے وہ بھی دور ہو گیا۔ یعنی اگر مطابق خصم وما اھل بہ لغیر اللہ سے غیر خدا کی طرف نامزدگی ہی بالفرض مراد لیا جائے تو پھر بھی اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ذبح کے وقت تک غیرت کی نسبت ممتد اور بحال رہے اور یہ کہ ذبح کے وقت مشرکین عرب کی طرح غیر اللہ کا نام لیا جائے تب حرمت ثابت ہوگی۔ اس پر دوسری آیت "فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ" قرینہ اور دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں اسم اللہ کے ذکر سے مراد وقتِ ذبح ہے۔ کما لا یخفی۔ پس اے تعصب برتنے والو! اور ربّانی آیات پر غور و فکر نہ کرنے والو! کیوں بے سوچے سمجھے حلال کو حرام بنا کر آیات اللہ میں تعارض اور تخالف پیدا کرتے ہو؟ یہی تحقیق قریب حضرت محدث کشمیریؒ نے مشکلات القرآن میں فرمائی ہے۔ مجھے اس وقت اس مسئلہ کو زیر بحث لانا مقصود نہ تھا مگر سولید کے بعض معزز اکابر علماء اسلام نے مجھے اس کے متعلق کچھ لکھنے کا حکم دیا ہے۔

(نوٹ):۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ قرآن سے ثابت ہے۔

کہ جس جانور پر ذبح کے وقت اسلامی قانون کے مطابق بسم اللہ اللہ اکبر پڑھی جائے وہ حلال ہے اور "وما اُھِلَّ بہٖ لغیر اللہ" ان کافروں کے لئے ہے جو ذبح کے وقت بتوں اور شیطانوں کا نام لیا کرتے تھے۔

—۔ ۰ ۔—

مسائل ذبح!

۱۔ ذبح صرف حلال جانور کا جائز اور حرام جانور کا ذبح کرنا بالکل جائز نہیں، جیساکہ ہدایۂ فقہ میں مذکور ہے: الزکاۃ شرط حل الذبیحۃ" ذبح کے لئے جانور کا حلال ہونا شرط ہے۔

۲۔ جس حلال جانور پر ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھی جائے وہ ہر حال میں حلال ہے خواہ وہ کسی نام سے اس سے پہلے نامزد ہو۔ اس کا منکر کافر ہے، کیونکہ نصِ قطعی اور ارشادِ ربانی ہے: "فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ" کہ جس حلال جانور پر بوقت ذبح بسم اللہ پڑھی جائے اس کو کھا سکتے ہو۔ پس اپنی طرف سے حلال چیز کو حرام بنانا موجب کفر ہے۔ لہذا اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

۳۔ اہل کتاب کا ذبح درست ہے۔ بشرطیکہ ان کا اہلِ کتاب

ہونا بین العلماء مسلّم ہو۔ یہ مسئلہ بھی غور سے سمجھ لیجئے۔

۴۔ نابالغ، کم عقل اور عورت کا ذبح جائز ہے۔ بشرطیکہ ذبح کے طریقہ سے واقف ہوں۔

۵۔ بُت پرست، آتش پرست اور مرتد کی ذبح درست نہیں ہے۔

۶۔ مرتد وہ ہے کہ جو معاذ اللہ دین اسلام سے برگشتہ ہوکر دوسرا دین قبول کرے۔ علماء کے فتویٰ کی رو سے احمدی (مرزائی، لاہوری و قادیانی) مرتد کے حکم میں آتے ہیں۔ پھر بھی فقہاءِ اسلام کی طرف اس مسئلہ میں رجوع کرنا چاہیئے۔

۷۔ اسی طرح احرام باندھے ہوئے شخص کا احاطۂ حرم میں شکار جانور کا ذبح کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر محرم (احرام باندھنے والا) بغیر شکار کا ذبح کرے یا احاطۂ حرم میں غیر شکار جانور کا ذبح کرے تو وہ درست ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے: "بخلاف ما اذا ذبح المحرم غیر الصید او ذبح فی الحرم غیر الصید صح" سے واضح اور ظاہر ہے۔

۸۔ اگر ذبح کے وقت قصداً بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے، تو ہم احناف کے نزدیک وہ ذبیحہ حرام ہے۔

۹۔ اگر بھول کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو حلال ہے۔

۱۰۔ اگر بکری، گائے یا اونٹنی کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ ظاہر ہوا تو وہ مردہ بچہ امام ابو حنیفہ رضؓ کے نزدیک

حرام ہے، خواہ اس سے مرے ہوئے بچہ کے بال نمودار ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ کیونکہ حلال جانور کیلئے ذبح درست ہے اور یہی مفہوم حدیث صحیح "ذکاۃُ الجنین ذکاۃُ اُمّہٖ" سے واضح ہے کہ دار بچہ کا ذبح اسی طرح ضروری ہے جس طرح اس کی ماں کا ذبح ضروری ہے۔

غرض ذکاۃ اُمّہٖ منصوب بنزع خافض ہے" ای کذکاۃ اُمّہٖ" اور اگر ذکاۃ اُمّہٖ مرفوع بھی پڑھا جائے تو پھر بھی معنی میں فرق نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اس کی طرف کچھ اشارہ ہدایہ کے حاشیہ میں کیا ہے۔ مگر شوافع وغیرہم اس مسئلہ میں ہمارے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں مگر آیات قرآنی اور حدیث "اُحِلّ لنا المیتتان" احناف کی ہر بات کی تائید کرتی ہے۔

۱۱۔ گھوڑے کا گوشت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک علی الصحیح مکروہ تحریمی ہے اور دوسرے علماء کے نزدیک حلال ہے۔

۱۲۔ جو مچھلی دریا میں اپنی طبعی موت مر جاتی ہے اور پانی کی سطح پر تیرتی رہتی ہے وہ احناف کے نزدیک مکروہ ہے۔

۱۳۔ احناف کے نزدیک۔ دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی حلال ہے۔

—۵—

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت کا بیان

نوٹ :- (یہ مضمون کتاب ہذا کے ضمنی مباحث میں سے ہے۔)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما من ایام العمل الصالح فیہا احب الی اللہ من ھذہ الایام العشرۃ فقال قالوا ولا الجہاد فی سبیل اللہ قال ولا الجہاد فی سبیل اللہ الا رجل خرج بنفسہ ومالہ فلم یرجع بذالک من شئ۔

(ترمذی شریف)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ عشرۂ ذی الحجہ سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کو عمل صالح زیادہ پسند اور محبوب ہو۔ یعنی عشرۂ ذی الحجہ میں نیک کام اور اعمالِ صالحہ کرنا سال بھر کے باقی دنوں سے خدا تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ باقی دنوں میں جہاد فی سبیل اللہ کرنا بھی ان دنوں کی نیکیوں کے برابر نہیں آپ ؐ نے فرمایا باقی دنوں میں جہاد فی سبیل اللہ بھی عشرۂ ذی الحجہ کے نیک عمل کے برابر نہیں ہو سکتا مگر وہ شخص جو جہاد کے لئے نکلا تو وہ میدان جہاد میں کام آیا۔

محدثین کو اس حدیث مبارک پر اشکال ہوا ہے کہ یہ روایت ان روایات کے برخلاف اور متضاد ہے جو ہیں رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کو سال بھر کے باقی دنوں پر فضیلت اور فوقیت دی گئی ہے۔ علمائے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ زیر بحث روایت میں ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کو سال بھر کے دوسرے دنوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ اور جن روایتوں میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی فضیلت آئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ عشرۂ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں کی فضیلت شب قدر کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے اور ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کی فضیلت عرفہ کے دن کی وجہ سے آئی ہے"
(دیکھیے عرف الشذی علی جامع ترمذی)

۲۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے: کہ ذی الحجہ کے ابتدائی نو دنوں میں سے ہر دن کے روزہ رکھنے کو سال بھر کے روزوں کا ثواب ہے اور عرفہ کے دن کا روزہ دو سال کے روزوں کے برابر ہے۔

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جنت میں ایک بالاخانہ ہے کہ جس کے اندر سے اس کا بیرونی حصہ اور باہر سے اس کا اندرونی حصہ نظر آئے گا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ گھر کس کے لیے ہے۔ آپ ﷺ نے

عرفہ کے دن روزہ رکھنے والوں کے لئے۔

فرمایا :

۴۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ میں دنیا کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ سے نیکوکاروں اور سعادت مند لوگوں کی ایک جماعت بیت العتیق خانہ کعبہ کے ارد گرد احرام باندھے ہوئے ربانی دربار میں لبیک اللّٰھم لبیک کی سوز و گداز سے بھری ہوئی آواز بلند کرتی ہے اور مسلمان عشق و محبت کا پورا ثبوت ربِ کعبہ کے دربار میں دے رہے ہیں۔

اگر ہم اپنی مجبوریوں یا غفلت یا سستی کی وجہ سے اس مقدس دربار میں پہنچکر حجاج کرام کی قطار میں نہ پہنچ سکے تو کم از کم ان ایام عشرہ میں اپنے تقویٰ و طہارت، صوم و صلوٰۃ، تکبیر و تشریق، قربانی اور دوسرے اعمال صالحہ کے ذریعہ حجاج کرام کی ہمنوائی کیجیے۔ اس لئے عرفہ کی صبح سے لیکر تیرھویں ذی الحجہ کی عصر نماز تک ہر فرض نماز کے بعد اس طرح پورے جوش و خروش سے تکبیرات پڑھیے۔

"اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر و للّٰہ الحمد" اور اپنے بہترین عمل اور حسن کردار سے یہود و نصاریٰ اور باقی اقوام عالم کو آگاہ کیجیے اور جس امت مسلمہ کے لئے پورے خلوص کے ساتھ حضرت خلیل اللہ اور حضرت ذبیح اللہ علیہم السلام نے دعائیں مانگی تھیں وہ ہم ہیں اور بس۔ اور یہ دعویٰ اسی صورت میں سچا ہوگا جبکہ ہمارا عمل ان کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہوگا اور صرف دعویٰ زبانی کافی

نہیں ۔۔۔ "وعن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا دخل العشر واراد بعضکم ان یضحی فلا یمس من شعرہ و بشرہ شیئا وفی روایۃ فلا یاخذن شعرا ولا یقلمن ظفرا وفی روایۃ من رای ھلال ذی الحجۃ واراد ان یضحی فلا یاخذن من شعرہ ولا من اظفارہ۔" (رواہ مسلم)

ترجمہ :۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : کہ جب ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن شروع ہو جائیں گے تو اگر تم میں سے کسی کو قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو وہ ہلال دیکھنے کے بعد اپنے بدن کے بالوں کو قینچی یا استرے کے ساتھ ہاتھ نہ لگائے اور اپنے ناخن بھی نہ لے یہاں تک کہ وہ قربانی کرے اس لیے ذی الحجہ کا ہلال دیکھتے ہی حجامت اور اس کے لوازم چھوڑ دینے چاہئیں یہاں تک کہ وہ قربانی کرے ۔ "قربانی کے مسائل بالعموم حنفی مسلک کے مطابق دیئے گئے ہیں۔ ہر چند اپنی طرف سے احتیاط کی گئی ہے" پھر بھی اگر کوئی مسئلہ غلط یا خلاف مفتی بہ معلوم ہو جائے تو نیاز مند کو اس کی اطلاع دے کر علم نوازی کا ثبوت بہم کریں اور دیگر مسلکوں کے فقہی مسائل سے احتیاطاً کوئی بحث نہیں کی گئی ہے ۔

—ہ—

عرفہ کے دن

حضرت جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور حضرت خضر علیہم السلام

کا

میدانِ عرفات میں جمع اور ہمکلام ہونا،

حضرت پیرِ پیران شیخ سید عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ غنیۃ الطالبین میں ایک حدیثِ مبارک نقل کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر عرفہ میں میدانِ عرفات میں حضرت جبرئیل امین، حضرت میکائیلؑ، حضرت اسرافیلؑ اور حضرت خواجہ خضرؑ ملاقات کرتے ہیں — جبرئیلِ امینؑ فرماتے ہیں: "ماشاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔" کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو گزرتا ہے اور گناہوں سے باز رہنے کی طاقت اور عبادت کرنے کی قوت اسی کے فضل و عنایت پر موقوف ہے۔ اس کے جواب میں میکائیلؑ فرماتے ہیں: "ماشاء اللہ کل نعمۃ من اللہ" بیشک ہر چیز اللہ ہی کے حکم سے ہوتی ہے اور تمام نعمتیں اللہ ہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت اسرافیلؑ فرماتے ہیں: "ماشاء اللہ الخیر کلہ بید اللہ۔" بےشک جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہو کر رہتا ہے اور تمام نیکیاں اور بھلائیاں اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ ان کے جواب میں حضرت خضرؑ فرماتے ہیں: بدیوں اور سختیوں کو صرف رب العالمین ہی دور کر

کرنے اور دفع کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور کھسکو پھر ایک سال کے بعد اسی دن اس میدان میں جمع ہوتے ہیں۔

—٥—

یوم عرفہ کی مسنون دُعاء

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے روایت ہے، کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ میری اُمت اور مجھ سے پہلے پیغمبروں علیہم السلام کی اکثر عرفہ کے دن یہ دُعا ہوتی ہے:

"لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر۔ اللّٰھُمَّ اجعل فی قلبی نوراً وفی سمعی نوراً وفی بصری نوراً اللّٰھُمَّ اشرح لی صدری ویسّرلی امری اللّٰھُمَّ انی اعوذ بک من وساوس الصّدر وفتنۃ القبر وشتات الامر۔ اللّٰھُمَّ انی اعوذ بک من شر ما یلج فی اللیل ومن شر ما یلج فی النھار ومن شر ما تھب بہ الرّیاح ومن شر بوائق الدھر۔"

ترجمہ:۔ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ ذات و صفات میں اکیلا ہے۔ اس کا کوئی ہمتا اور شریک نہیں ہے

ملک اسی کا ہے۔ تمام تعریفوں کا حقدار وہی ہے۔ وہی ہر چیز پر طاقت رکھتا ہے۔ اے خدا! میرے دل کو، میرے کانوں کو، میری آنکھوں کو اپنے خاص نور سے بھر دو بنا۔ اے خدا! اپنے معارف و برکات کے لئے یہ سینہ کھول دے اور میرے سب کام آسان بنا دے۔ اے اللہ میں سینہ کے برے وسوسوں، قبر کے فتنہ اور پراگندگیوں اور پریشانیوں سے پناہ پکڑتا ہوں۔ اے اللہ! میں ان چیزوں کے شر اور مضرتوں سے پناہ پکڑتا ہوں جو دن میں داخل ہوتی ہیں اور رات میں تیز ہواؤں کے شر اور حوادثات سے آپ کی پناہ پکڑتا ہوں۔

(نوٹ:۔) آپ بھی عرفہ لیعنی ۹ ذی الحجہ کے دن یہ دعا پڑھا کیجئے بڑا ثواب ہوگا۔"

—٥—

مسائل متعلّق عشرۂ ذی الحجہ

عشرۂ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ کہتے ہیں اور نماز سنہ ہجری میں مسلمانوں پر واجب ہوئی۔ ایام جہالت میں اہلِ مدینہ نے سال بھر میں دو یوم خوشی اور مسرت کے مقرر کیے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے لوگوں سے ان کی بابت دریافت فرمایا: لوگوں نے عرض کیا کہ یہ اسلام سے پیشتر ان دنوں میں خوشی کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ خداوند کریم جلّ شانہٗ نے ان کے عوض میں تمہیں دو بہترین دن دیئے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔

(بحر الرائق حدیث حضرت انسؓ)

مسائل:

۱۔ قربانی کرنے والے اس عشرہ میں جب تک قربانی نہ کریں بال اور ناخن نہ ترشیں۔ (شامی)، صحیح مسلم میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

"جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہوا اور کوئی قربانی کرنا چاہے تو اپنے بال کو ہاتھ نہ لگائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے اور قربانی کا ارادہ ہو تو اپنے بال اور ناخن نہ تراشے۔"

۲۔ جو بوجہ سیہ بختی یا کم مائیگی کے قربانی نہ کر سکیں ان کو بھی مسئلہ بالا کے احترام کے تحت بال اور ناخن نماز عیدالاضحیٰ ادا کرنے سے پیشتر نہ ترشوانے چاہییں۔

۳۔ بال اور ناخن کا قبل از قربانی نہ کٹوانا خلاف سنت ہے، حرام نہیں ہے۔

۴۔ زینوا العید بالتہلیل والتکبیر والتحمید والتقدیس۔ عید کو زینت دو لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ الحمد للہ۔ سبحان الملک القدوس کے پڑھنے سے۔

۵۔ نسائی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاشورہ کا روزہ اور ذی الحجہ کے ۹ دن کے روزے اور ہر ماہ میں تین دن کے روزے ترک نہیں فرماتے تھے۔

۶۔ نہیں ہے کوئی دن کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل نیک اس میں زیادہ محبوب ہو ان دنوں سے بڑھ کر جو کہ ماہ ذوالحجہ کے اول کے دس دن ہے۔ (بخاری شریف)

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عرفہ کا روزہ بمنزلہ ہزاروں روزوں کے ہے۔

۸۔ عرفہ کا روزہ سال بھر کے گناہوں کے کفارہ کا موجب ہے۔ (مسلم شریف)

۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے محفوظ رکھا اپنی زبان کو اور کانوں کو اور آنکھوں کو عرفہ

کے دن (یعنی جھوٹ، غیبت اور بدنظری سے) تو بخشے جاتے ہیں اس کے لئے گناہ اس عرفہ سے اگلے عرفہ تک۔

نوٹ:۔ (عرفہ کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے۔ (بیہقی))
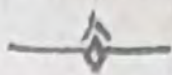
اعمال متعلقہ شب عید الاضحیٰ

عید الاضحیٰ کے شب میں عبادت کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ شب عید الاضحیٰ کو شب بیداری کرے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں خوب مشغول رہے اور گناہوں کی معافی چاہے جیسی کہ چاہنی چاہیئے۔ اور کثرت سے استغفار کرے۔

۱۔ من احیا لیلۃ الفطر ولیلۃ النحر لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب " جو شخص عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات میں جاگتا رہے تو جس دن اور لوگوں کے دل مردہ ہوتے ہیں اس کا دل مردہ نہ ہوگا۔

۲۔ ابن عساکر کی روایت ہے لیلۃ الترویۃ آٹھویں شب ذی الحجہ عرفہ کی رات، عید الفطر کی رات اور عید الاضحیٰ کی رات میں جاگتا رہے تو جس دن اور لوگوں کے دل مردہ ہوتے ہیں اس کا دل مردہ نہ ہوگا۔

۳۔ عیدین کی شب کو عبادت اور دعائیں کرنا مستحب ہے۔

۴۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالٰہ مع اللّٰہ قلیلاً ما تذکرون۔" (پارہ ۱۹) — وہ کون ہے جو پریشان مضطر کی دعا قبول کرے اور اس کی تکلیف کو دور کرے اور تم کو زمین میں اپنا جانشین بنایا جا چکا ہے اور تم بہت کم نصیحت پڑھتے ہو۔

سُنن عید الاضحیٰ

عید الاضحیٰ میں یہ چودہ افعال مسنون ہیں:

۱۔ علی الصباح اٹھنا، خداوند کریم کی تسبیح و تحمید اور دنوں سے زیادہ کرنا اور درود شریف بر ذات مقدس شافع روز محشر حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم ایعنی وہ درود شریف جو کہ نماز میں بعد تشہد پڑھا کرتے ہیں کثرت سے پڑھنا۔

۲۔ شرع شریف کے موافق اپنے جائے رہائش، مکانات وغیرہ کی صفائی و آرائش کرنا۔ لیکن اگر قرض ادھار کرکے اور سود سے قرض لیکر اس کام کو انجام دیا تو دینی و دنیوی ہلاکت کا موجب ہوگا۔ نیز اگر تصویروں سے مکان کو سجایا جائے گا تو اللّٰہ کی رحمت کے نزول سے محروم رہے گا۔

اور رحمت کے فرشتے ایسے مکان سے کوسوں دُور رہیں گے۔
اللہ اللہ! ایک زمانہ تھا جب کہ مسلمان اپنے مکانوں کو
کلماتِ احادیث اور کلام اللہ شریف اور بزرگانِ دین کے
اقوال کے کتبات سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے
مکتوبات سے مزین کرتے تھے ۔ مگر اب یہ زمانہ ہے کہ مردانہ
مکانوں کے علاوہ زنانہ مکانوں کی بھی آرائش و زیبائش
کی جاتی ہے تو وہ بھی عورتوں کی برہنہ تصاویر سے۔

۳ - نمازِ عید سے پیشتر غسل کرنا اور اس کے بعد وضو سے نماز ادا
کرنا بھی سُنّت ہے۔

۴ - مسواک کرنا بھی سُنّت ہے، مگر آج کل ٹوتھ پاوڈر یعنی
دانتوں کا منجن استعمال کرنا فیشن میں داخل ہو گیا ہے جس کے
اجزائے ترکیبی ہی سے استعمال کم از کم کراہت سے خالی نہیں۔

۵ - نئے کپڑوں کا پہننا۔ اگر نئے کپڑے نہ ہوں تو استعمالی کپڑوں
میں سے جو عمدہ سے عمدہ ہوں دھو کر کے پہننا۔

۶ - یتیم و غربا و مساکین و مسافرین کو حسبِ مقدرت نئے کپڑے
بنا کر دینا ورنہ استعمالی کپڑوں میں سے دینا۔

۷ - ایسی خوشبو لگانا جس کے استعمال سے کپڑوں پر دھبے
نہ لگے اور خوشبو بھی پاک استعمال کرنا۔ نہ کہ انگریزی سینٹ کہ جو
کہ مخلوط الخمر ہوتا ہے۔

۸ - سُرمہ لگانا مگر چاندی سونے کی سُرمہ دانی و سلائی و عطر دان
اور قاعدانات و گلاب پاش کے استعمال سے بچنا۔ چونکہ اس

کا استعمال عورت و مرد پر یکساں طور حرام ہے اور اس کے متعلق سخت وعید آئی ہے۔ چونکہ یہ (یعنی روز عید اضحیٰ) خوشی اور برکاتِ خداوندی کے نزول کا دن ہے اس لحاظ سے حرام اشیاء کے استعمال سے اللہ تعالیٰ کے غضب کو نہیں بھولنا چاہیئے۔ جو کہ موجب خسران ہے۔

۹۔ شملہ باندھنا ٹوپی پر۔ بدون ٹوپی کے شملہ باندھنا مکروہ ہے۔
۱۰۔ عید اور جمعہ میں مسلح ہو کر جانا یعنی ہتھیار باندھ کر جانا۔
۱۱۔ عید گاہ میں بہت سویرے جانا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سویرے عید گاہ تشریف لے جاتے تھے اور اپنی مسجدِ مبارک (یعنی مسجدِ نبویؐ) جس کی بڑی فضیلت آئی ہے اس میں نماز پڑھتے تھے، بلکہ عید گاہ میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے آج کل مسلمانوں نے سستی و کاہلی کے سبب اپنی اپنی مسجدوں میں عیدین کی نمازیں پڑھنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے تو سُنت کے خلاف ہے۔
۱۲۔ عید اضحیٰ میں نماز ادا کرنے سے پیشتر کچھ نہ کھانا اور اگر نماز سے پیشتر کچھ کھا لیا نماز تو ادا ہو جائے گی اس میں کسی قسم کی کراہت نہ آئے گی۔ اور یہ فعل اس کا حرام بھی نہ سمجھا جائے گا۔ البتہ سُنّت کے خلاف ہوگا۔ اور مندرجہ ذیل بشارت سے محروم رہے گا جو کہ زبردست خسران ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو شخص عید اضحیٰ کے روز کھانا کھانے سے اُس وقت تک رُکا رہا کہ نماز سے

فارغ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ اس کو ہزار سال کی عبادت کا ثواب
عنایت فرمائے گا۔

۱۳۔ کھانے سے وہ اشیاء مراد ہیں جن کو کہ عرف میں دعوت
قبول کرنے کے بعد انسان اپنے گھر میں نہیں کھاتا ہے، مگر
اس کو روزہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ چونکہ عید اضحیٰ کے روز
روزہ رکھنا حرام ہے بلکہ اس قدر روک شریعت نے کر
قربانی کے گوشت سے ابتداء کرانے کے لئے قائم کی ہے۔
مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقر
عید کے روز نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ نماز عید سے واپس
ہوتے اور اپنی قربانی سے کھاتے تھے۔

۱۴۔ جس راستے سے عیدگاہ جائے اس کے علاوہ دوسرے
راستہ سے واپس آنا ـــــ عیدگاہ کو پیدل جانا اور راستہ
میں "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر
اللہ اکبر وللہ الحمد" بلند آواز سے پڑھتے ہوئے
جانا اور واپسی میں بھی بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے آنا
آج کل مسلمانوں نے خدا کے راستہ میں اپنی انانیت
کا اظہار ضروری سمجھا ہے۔ چنانچہ عید کی نماز ادا کرنے کیلئے
پیدل جانا کسر شان سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ سواری نہ ملنے پر
یا سواری کے انتظار میں پوری نماز یا نماز کے ایک بڑے
حصہ کو فوت کر دینے اور اس ثواب سے جو کہ پیدل چلنے پر
ملتا ہے اس سے محروم ہو جانے کو کوئی نقصان تصور نہیں کرتے

حالانکہ سرورِ کائنات پیغمبرِ آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عیدگاہ کو پیادہ پا مبارک تشریف لے جایا کرتے تھے۔

---۵---

تکبیراتِ ایامِ تشریق

۱۔ نویں ذی الحجہ کی صبح سے لیکر تیرھویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر نماز کے بعد جو جماعت مستحبہ سے ادا کی جائے ایک مرتبہ تکبیر کا کہنا واجب ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

۲۔ تکبیراتِ ایامِ تشریق کی نمازیں قضا ہوگئیں اب اگر ان کو ایامِ تشریق ہی میں ادا کرنا ہے تو ان کے ساتھ تکبیراتِ تشریق کو بھی ادا کرے۔ مثلاً ذی الحجہ کی عصر کی نماز قضاء ہوگئی۔ اب اگر اس فوت کردہ نماز کو ۱۱ ماہ ذی الحجہ کے عصر کے وقت ادا کرنا چاہتا ہے تو جہاں اس نماز کو ادا کرتا ہے، وہیں اس کے ساتھ جو تکبیر ایامِ تشریق کی قضا ہوئی ہے۔ اس کو بھی ادا کرے۔ کیونکہ تکبیر کا ادا کرنا واجب تھا۔ اور اس کے ادا کرنے کا زمانہ موجود ہے۔

۳۔ تکبیراتِ ایامِ تشریق مقیم پر واجب ہیں۔ عورت اور مسافر پر واجب نہیں ہے اور اگر جماعت میں عورت و مسافر بھی شریک ہوں تو ان پر بھی بالتبع تکبیراتِ ایامِ تشریق واجب ہو جاتی ہیں۔

۴۔ اگر نماز فوت کردہ کو بعد ایامِ تشریق کے ادا کرے تو تکبیرات ایامِ تشریق کو ادا نہ کرے۔ مثلاً ۱۲ ماہ ذی الحجہ کی صبح کی نماز قضا ہو گئی۔ اب اگر فوت کردہ نماز کو ۱۵ ماہ ذی الحجہ کی صبح کے وقت ادا کرنا چاہتا ہے تو اب نماز ہی قضا کرے نہ کہ تکبیر کی جو کہ اس کے ساتھ فوت ہو گئی تھی کیونکہ اس کے ادا کرنے کے دن گذر چکے ہیں۔

نمازِ عید ادا کرنیکا طریقہ
اور
اس کے خاص احکام

نمازِ عید واجب ہے۔ اس کے لئے اذان اور تکبیر نہیں ہے، نیت اس طرح کر لینی چاہیے کہ میں نماز عید الاضحیٰ کی دو رکعتیں مع چھ زائد تکبیروں کے اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔ پھر:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ

وتعالیٰ جدّک ولا الٰہ غیرک" پڑھ کر تین مرتبہ "اللّٰہ اکبر" کہے اور ہر مرتبہ تکبیرِ تحریمہ کی طرح کانوں تک ہاتھ اُٹھائے اور آویزاں چھوڑ دے مگر تیسری تکبیر کے بعد آویزاں نہ چھوڑ دے بلکہ معمول کے مطابق ناف کے نیچے اپنے ہاتھ باندھ لے۔ اس کے بعد امام صاحب اعوذ باللّٰہ... الخ اور بسم اللّٰہ..... الخ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھے۔ مقتدی حسبِ معمول خاموش رہے اور رکوع و سجود پورے خشوع و عاجزی کے ساتھ بجا لائے ــــ دوسری رکعت میں امام صاحب مطابق معمول سورۂ فاتحہ کے بعد اور کوئی سورۃ اونچی آواز سے پڑھ لے ـــ قرأت سے فارغ ہونے کے بعد اسی طرح تین زائد تکبیرات کہیئے جس طرح پہلی رکعت میں کہے ہیں مگر اس وقت تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ چھوڑ رکھے، چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع اور دو سجدے کرلے اور باقی نماز حسب قواعد شرعیہ پوری کرے۔

نمازِ عید کے چند مسائل

عید کا خطبہ سُننا واجب ہے۔ معزز مسلمان بھائی اس میں غفلت سے کام لیتے ہیں کہ ابھی امام صاحب خطبہ ہی ارشاد فرماتا ہے کہ مقتدی حضرات امام صاحب کو ممبر پر چھوڑ کر خود آپس میں باتوں میں لگتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں، ایک دوسرے کو عید مبارک دیتے ہیں۔ درمیانِ خطبہ یہ ہر قسم کی چیزیں ناجائز کرتے ہیں بلکہ پورے اطمینان اور متانت کے ساتھ جناب امام صاحب کا خطبہ سُن لینا چاہیئے خطبہ سے فراغت کے بعد تکبیرات کہتے ہوئے اپنا گھر واپس آنا چاہیئے۔ ضروری مسائل یہ ہیں:

۱۔ عید نماز تنہا پڑھنا جائز نہیں۔

۲۔ عید نماز صرف ان مقامات پر پڑھی جاسکتی ہے جہاں نمازِ جمعہ پڑھی جاتی ہو۔

۳۔ اگر کسی شخص نے امام صاحب کے ساتھ صرف ایک رکعت پالی تو وہ جب فوت شدہ رکعت ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے تو پہلے قرأت پڑھے پھر تکبیراتِ زوائد کہے۔

۵۔ اگر کوئی عذرِ شرعی درپیش آئے مثلاً لگاتار بارش ہو، چاند ایک روز پیشتر ہونے کی اطلاع آجائے تو عید اضحیٰ کی نماز کو ۱۲ ماہ ذی الحجہ تک بھی مؤخر کیا

جاتا ہے۔ اور اگر قصداً امام صاحب نے دسویں ذی الحجہ کو نماز عید اضحیٰ نہ پڑھائی تو گنہگار ہوگا اور اس کو بارھویں ذی الحجہ تک فوراً نماز پڑھا لے۔

چاہیئے کہ اگر کوئی شخص نماز عید میں ایسے وقت میں شریک ہوا کہ امام صاحب تکبیراتِ زوائد سے فارغ ہو چکا ہو، تو فوراً نیت باندھکر تکبیرات کہے اور اگر رکوع میں اس کی شرکت ہوئی ہو تو تکبیروں کی ادائیگی کے بعد رکوع میں جائے گا اور اس بات کا خطرہ ہو کہ جتنی دیر میں تکبیرات زوائد کہوں تو اتنے میں امام صاحب رکوع سے اٹھ جائیں گے تو ایسی صورت میں پہلے رکوع کر لینا چاہئے اور رکوع کی تسبیح کے بعد ہاتھوں کو اٹھو لے۔ بغیر زائد تکبیرات پڑھ لے۔ اور تکبیروں سے فراغت نہ ملی ہو کہ امام صاحب نے رکوع سے سر اٹھایا تو پھر بھی کھڑا ہو جائے اور اس صورت میں جس قدر تکبیریں رہ گئیں وہ سب معاف ہیں۔

۷۔ عید نماز فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔ لہذا عید نماز کے بعد علی الصحیح تکبیراتِ تشریق نہیں ہیں۔ تکبیرات تشریق تئیس (۲۳) فرض نمازوں کے بعد ہیں یعنی ۹ ذی الحجہ عرفہ کی نمازِ فجر کے بعد سے ۱۳ ذی الحجہ کی نمازِ عصر تک واجب ہیں۔

۸۔ تکبیراتِ تشریق یہ ہیں:

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔"

۹۔ افضل اور بہتر یہ ہے کہ تکبیرات پہلے امام صاحبان شروع کریں تب مقتدی صاحبان۔

۱۰۔ عیدگاہ سے لوٹتے وقت راستہ بدلنا مسنون ہے۔

نمازِ عید کے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات

۱۔ سوال: عیدین کی نماز فرض ہے یا واجب یا سنّت

جواب: شوافع اور دوسرے بہت سے علماء کے نزدیک عیدین کی نماز سنّت ہے اور ہم احناف کے نزدیک واجب ہے۔ یعنی فرض سے درجہ میں کم اور سنّت سے زیادہ، یہی زیادہ صحیح اور قوی ہے۔ نمازِ عید واجب ہونے کی یہ دلیل ہے کہ حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بہت پابندی فرمائی ہے اور کبھی بھی اس کو نہیں چھوڑا ـــــ اسی طرح بعض مفسّرین نے " فصلِّ لربِّکَ وانحر " کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ آپ نمازِ عید پڑھا کیجئے۔ اس کا

تقاضا یہ بھی ہے کہ عید نماز واجب ہو اور اسی طرح
بعض مفسرین نے آیت "ولتکبروا اللہ علیٰ
ما ھداکم۔" سے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ آپ عیدین
کی نماز پڑھا کریں۔ اس کے علاوہ عیدین کی نماز
اسلامی اور دینی شعائر اور نشانیوں میں سے بہت
بڑی نشانی ہے اور شعائر اللہ کی حفاظت اور ان
کی اہمیت کے پیش نظر یہی کہنا پڑے گا کہ عیدین کی
نماز واجب ہے۔ اسی سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ
کے علمی تبحر کا اندازہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔
ہدایہ، بحرالرائق اور دوسری فقہ کی کتابوں میں ایسا
ہی لکھا ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے۔

۵۔ سوال: نماز عید کا وقت کس وقت سے شروع
ہو جاتا ہے؟

جواب: نماز عید کا وقت اس وقت سے شروع
ہوتا ہے جب کہ آفتاب طلوع ہو کر ایک یا دو نیزوں
کے مقدار (برابر) میں کچھ اونچا ہو جائے اور سورج
ڈھلنے یعنی زوال کے وقت سے کچھ پہلے تک عید کی نماز
کا وقت رہتا ہے۔ مگر مستحب یہ ہے کہ نماز عید اوّل
وقت میں پڑھی جائے۔ جیسا کہ حضرت سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی، اور عید
نماز صرف ان لوگوں پر واجب ہے جن پر نماز جمعہ فرض

ہے۔ یہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ان پر احسان ہے۔

۳ ●۔ سوال :- کیا عید نماز کا پڑھنا ہر مسجد شریف میں بہتر ہے یا صرف عید گاہ میں؟

جواب :- عید نماز عید گاہ میں پڑھنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنّت ہے۔ عید گاہ ہوتے ہوئے مسجدوں اور پارکوں میں نمازِ عید ادا کرنا خلاف سُنّت ہونے کے علاوہ اسلام کی روح اور اس کے بلند مقاصد کے خلاف ہے۔ کیونکہ نماز عید کا مقصد عبادت کے علاوہ یہ بھی ہے کہ شہر اور اس کے آس پاس کے لوگ ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع ہو کر پوری گرمجوشی و وحدت کے ساتھ اسلام کا پیغام عمل سُنیں اور اس پر عمل کریں۔ اور جب نمازِ عید مختلف جگہوں پر پڑھی جائے تو ظاہر ہے کہ اہم مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے عید نماز صرف ایک میدان میں اکٹھے پڑھا کیجیے۔

ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ عید گاہ اور پلیٹ فارم کا انتظام جمہوری قدروں کے موافق ہو۔

افسوس ہے کہ کچھ لوگ حدیث دانی اور اتباعِ سُنّت کے باوجود عید گاہ چھوڑ کر مختلف پارکوں اور مقامات پر عید نماز پڑھتے ہیں۔

۴ ●۔ سوال :- جمعہ کی نماز میں خطبہ پہلے ہوتا ہے جبکہ عید کی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب :- اللہ اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور طریقہ ایسا ہے تو دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اس کی حکمت یہ ہے کہ عید کے خطبہ اور صدقۂ فطر اور قربانی کے احکام سکھائے جاتے ہیں۔ عوام مسلمین کی سہولت اور یاد رہنے کی غرض سے خطبہ نماز کے بعد رکھا گیا تاکہ امام صاحب کے بیان کردہ احکام وہ بھول نہ جائیں بلکہ احکام الٰہی سنتے ہی عمل کرنا شروع کر دیں۔ اس کی وجوہ اور بھی ہو سکتی ہیں۔
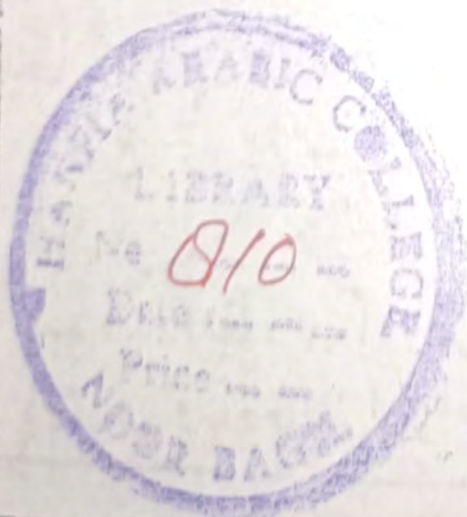
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے مختصر حالاتِ طیبات
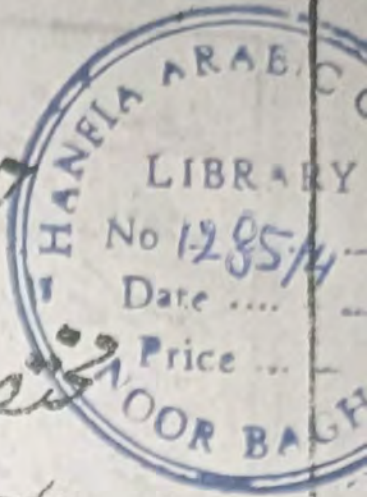
جبکہ ہم قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ پر غور وفکر کرتے ہیں تو حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مندرجہ ذیل خصوصیات و امتیازات مجموعی طور پر پائے جاتے ہیں:

اولاً :- اپنے والد بزرگوار جناب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت سے سخت احکام و ہدایات کے پابند و کاربند۔

ثانیاً :- کعبۃ اللہ کی تعمیر میں آپ کا نمایاں حصہ۔

ثالثاً :- نیک کاموں میں پوری دلچسپی کے ساتھ ساتھ دربارِ الٰہی میں قبولیت اور منظور ہونے کی رغبت اور سخت تڑپ۔

رابعاً :- اپنے والد ماجد کی طرح آپ کا قلبِ مبارک توحید و خداپرستی سے معمور و منوّر اور توہم و بُت پرستی سے بہت زیادہ بیزار و متنفّر۔

خامساً :- ایفاءِ عہد اور صدقِ وعدہ میں ممتاز و سخت پابند اور وعدہ خلاف اور نقضِ عہد کرنے والوں سے بری و

بیزار

سادساً: ۔ اپنے اہل و عیال اور متعلقین کو خصوصی طور پر نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی تلقین و تاکید بہت زیادہ فرماتے تھے، یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجا طور پر نگران و محافظ۔

سابعاً: ۔ اپنے والد بزرگوار کی رضامندی دیکھ کر اپنی جانِ عزیز راہِ خدا میں نثار اور قربان کرنے کے لئے مستعد اور تیار ہونا اور اس بارے میں اپنے والد ماجد کو "ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین" در جواب کہہ کر صبر و ثبات عزم و ہمت اور استقلال اور اطاعتِ والد کی دنیا میں ایسی پاک مثال قائم کرنا جسکی نظیر ملنی نہایت مشکل ہے۔

ثامناً: ۔ بنی نوعِ انسان میں بھلا وہ خوش نصیب فرزند کہ جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے والدۂ ماجدہ حضرت ہاجرہ سمیت بحالتِ شیر خوارگی اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبہ شریف کے قرب و جوار میں اس غرض سے بسایا کہ انہیں کفر و شرک اور توہم و بت پرستی کے ماحول سے آغازِ عمر ہی سے دور اور پاک و صاف رکھا جائے۔

تاسعاً: ۔ آپ ہی کی نسل و ذریت سے ہمارے آقائے نامدار پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کیلئے ایسا شرف اور انعامِ الٰہی ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی شرف

نہیں ہو سکتا۔

یہ اشرف ہے۔ آپ کی ذریت پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ پایۂ تکمیل پہنچایا "لا نبی بعد نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" یہ ہیں وہ خصوصیات و ممیزات جو بحیثیت مجموعی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام میں پائی جاتی ہیں جو نصوص قرآنی اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت اور مبرہن ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حمید کی بہت سی آیتوں میں آپ کا ذکر جمیل اور تذکرۂ نیک فرمایا۔ تاکہ اُن آیات کا پڑھنے والا ایسے پاکباز و بلند ہمت پیغمبر کی زندگی اور خدائی امتحانات پر ثابت قدم رہنے سے اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کر سکے اور مشکلات و مصائب پیش آنے کے وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہجرت بھری زندگی سے اپنی تسلی و تشفی کر سکے اور یہ کہ اسی قسم کی الٰہی آیات پڑھنے والا اطاعت حق اور رب الارباب کی تابعداری اپنا شعار و دثار بنا لے۔

اسی اہم مقصد کے پیش نظر عوام مسلمین اور نوجوانانِ ملت کے لیے ہم نہایت وجازت واختصار کے ساتھ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے چند چیدہ واقعات قلمبند کرتے ہیں اور علمی کدو کاوش اور دور از کار مباحث سے صرف نظر کرتے ہیں۔ ہماری امید ہے کہ ہمارے عزیز نوجوان جب قرآن مجید میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے متعلق جو آیات ہیں اُن پر

خصوصیت سے غور و فکر فرماتے رہیں گے اور اسی طرح وہ بھی ثبات و ثابت قدمی پر قائم و دایم رہیں گے۔

"اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنَا اِلٰى حُبِّكَ"

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت و پیدائش کا مختصر بیان

معتبر تفاسیر و تواریخ میں آیا ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آٹھ (۸) فرزند تھے، جن کے اسمائے مبارکہ ترتیب وار یہ ہیں:

۱۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، ۲۔ حضرت اسحاق علیہ السلام

۳۔ مدین، ۴۔ مدان، ۵۔ نصوان، ۶۔ یقشان

۷۔ اسبق، ۸۔ شوخ۔

ان میں سے اوّل الذکر حضرت ہاجرہؓ قبطیہ اور ثانی الذکر حضرت سارہؓ کے بطنِ مبارک سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو عطا کیے تھے۔ باقی چھ فرزند قنطورا بنتِ یقطن کنعانیہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ اور علمائے اسلام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزندوں میں سے صرف اوّل الذکر (حضرت اسمٰعیلؑ) اور ثانی الذکر (حضرت اسحٰقؑ)

نبوّت کی خلعت سے آراستہ تھے۔ اور ان دونوں حضرات کے علاوہ باقی چھ فرزند رسول یا نبی نہیں تھے، اس جگہ یہ بات پیشِ نظر رکھنے کے قابل ہے کہ رسول اور نبی میں تھوڑا سا فرق ہے۔ کہ "رسول" وہ ہے جو مخاطبین کو نئی شریعت پہنچائے۔ اور "نبی" وہ ہے جو صاحبِ وحی ہو، خواہ وہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے یا شریعت قدیمہ کی طرف دعوت دے۔ تو اس مقام پر قدرتی طور پر یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس معنی کے اعتبار سے رسول تھے یا نبی تو اس کا جواب یہ ہے کہ موصوف نبی تھے کیونکہ ان کی شریعت جدیدہ اور کتاب جدید کا کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ ان کا حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کے مقدس دین پر ہونا خود آیات اللہ سے ثابت اور واضح ہے۔

خود اللہ تعالٰے نے سورۂ مریم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "اِنَّہٗ کَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا" کہ آپؑ رسول اور نبوّت کے درجہ پر فائز تھے۔ گویا "نبیًّا" رسول کے لیے عطفِ بیان ہے۔

۲۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق تفصیلی بیان

اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا کچھ بیان ہو چکا ہے مگر اس مقام پر ہم قدرے اور بھی تفصیل

سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی عمر مبارک کا بیشتر حصہ ربانی امتحانات اور مولائے کریم کی آزمائشوں میں گذرا یہاں تک کہ بڑھاپا کا زمانہ بھی آپ کو نصیب ہوا اور حضرت سارہ سے اس وقت تک اولاد نہیں ہوئی تھی اس لئے بتقاضائے فطرتِ سلیمہ اولاد کی تمنا اور آرزو کرتے ہوئے اللہ تعالے کے دربار میں نہایت عاجزی سے دعا فرماتے تھے کہ "رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ" اے پروردگار! مجھے نیکوکار اولاد عطا فرما، یہ دعا بارگاہ الٰہی میں اس طرح قبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (حضرت ابراہیم علیہ السلام) چھیاسی سال کی عمر میں حضرت ہاجرہ کے بطن مبارک سے فرزند عنایت کیا جس کا نام آپ نے "اسمٰعیل" رکھا۔

۳۔ اسمٰعیل کا معنیٰ

"اسمٰعیل" عبرانی زبان زبان کا مرکب لفظ ہے۔ "اسمع" اور "ایل" سے، اسمع: کے معنیٰ سُنا۔ اور ایل کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جناب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و السلام کی دعا سُن لی اور قبول فرمائی۔ اس لئے "اسمٰعیل" کا معنیٰ "خدا تعالے کا سُنا ہوا" کے آتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کی یہ صورت ہوئی،

کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام عراقی سرزمین سے اپنی بیوی
حضرت سارہؑ اور اپنا بھتیجا لوط بن حاران کو ہجرت کر کے
اپنے ساتھ لے کر ملک شام میں آئے اور حران میں ٹھہرے
اور پھر جب وہاں قحط پڑا تو وہاں سے پھر مصر گئے۔
بادشاہ مصر بدکردار تھا، جب اس نے حضرت سارہ کے
حسن و جمال کا شہرہ سُنا تو اس نے زبردستی اُن کو اپنے
پاس بُرے ارادے سے بُلایا، مگر حضرت رحمان جل شانہ
نے اس خبیث کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ناموس پر
حملہ کرنے کی دسترس نہیں دی۔ جس قدر اس نے اپنی
ناپاک خواہش پوری کرنے کی کوشش کی تو اسی قدر اس
کو اس میں ناکام و نامراد بنایا اور اس کے اعضاء کو مانند
شل اور بے حس و بے حرکت کر دیا۔ آخر کار اس نے
بے نیل و بے مرامی کے ساتھ حضرت سارہ کو مع ساز و سامان
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیج دیا اور اس کے
علاوہ اس جابر بادشاہ کے پاس ایک اور نوجوان عورت
تھی جس کا نام ہاجرہ تھا اس کا حال بھی حضرت سارہ
کی طرح تھا کہ یہ بادشاہ اُن سے اپنی خواہش پوری کرنے
کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ یہ نوجوان عورت بھی اس بادشاہ
نے حضرت سارہؑ کو بخشدی، حضرت سارہ نے وہ کنیزہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو زوجیت میں بخشدی ہے۔ غرض اب
حضرت ابراہیمؑ مصر سے لوٹ کر پھر ملک شام میں آئے

کنعان میں حبرون کے پاس قیام کیا۔ حضرت سارہؓ کی اولاد نہ ہوتی تھی، جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی رغبت اور دعا دیکھی اور سنی تو انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت ہاجرہؑ کے قریب ہونے کا مشورہ دیا اور کہا کہ شاید اس سے آپ کو اولاد ہو گی جس سے آپ کی خواہش پوری اور میرا گھر آباد ہو جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شروع میں حضرت سارہ کے اس مشورہ پر عمل نہیں کیا کیونکہ حضرت سارہؓ کی غیرت اور خاص کر عورتوں کی طبیعت سے واقف تھے لیکن جب اُن کو حضرت سارہؓ نے اس پر اصرار کیا تو آپؑ حضرت ہاجرہؑ کے قریب ہوئے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام حاملہ ہوئیں۔ یہ دیکھ کر کہ وہی ہوا جس کا اظہار حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا تھا یعنی حضرت ہاجرہؑ کا حاملہ ہونے کا علم جب حضرت سارہ علیہا السلام کو ہوا تو اُن کا رشک بڑھنے لگا۔ پھر جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مولود فرزند کی طرف فطری رجحان دیکھا تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشورہ دیا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اس کے نومولود شیر خوار بچہ کو میری نظروں سے دور لے جا کر کسی لق و دق اور بے آب و گیاہ جگہ پر چھوڑ آئیے۔

آپ جانتے ہیں کہ حضرت سارہؑ کا یہ مشورہ کتنا سخت

اور مشکل ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے شفیق باپ
کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرقان مجید میں " لاواہ
حلیم " فرمایا وہ اس مشورہ پر کیسے اور کیونکر عمل کر
سکتے، مگر جلد ہی معلوم ہوا کہ یہ در حقیقت حکم خدا ہے
اسی میں بہتری ہے۔ اگرچہ بظاہر حضرت سارہؓ سے صادر ہوا
مگر یہ میرے لئے ربانی امتحان و آزمائش ہے۔ چنانچہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وادی غیر ذی زرع کعبۃ اللہ
کے قرب و جوار میں بساتے ہیں، اور ان کے لئے دعائے خیر کر کے
واپس آتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری بھی کرتے
ہیں جس کی تفصیل تذکرۂ ابراہیمؑ میں صحیح حدیث کی
روشنی میں آچکی ہے۔ اور واضح رہے کہ اس وقت مکہ
میں ظاہر طور پر کعبہ شریف نہ تھا اور نہ اس کی کوئی ظاہری
صورت تھی البتہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت
اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت سارہ علیہا السلام کے مشورہ پر
وادی غیر ذی زرع میں بسانا کعبۃ اللہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم
علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی اور ان
کی عظمت و ارجمندی ثابت ہونے کے لئے بڑا مقدمہ اور
پیش خیمہ ثابت ہوا جس کا اجمالی علم اللہ تعالیٰ کی طرف
سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوا ہوگا۔ اور پھر پیغمبروں
کے حالات و کوائف عوامی حالات و کوائف سے ہمیشہ برتر

اور مافوق ہوتے ہیں تو پھر متعقلین و متفلسفین سے مرعوب ہو کر آیات اللہ کے راجح معنی کو چھوڑ کر مرجوح معنی مراد لینا، اور صحیح بخاری شریف کی حدیث کو اسرائیلیات پہ محمول کرنا مرعوبیت کی کھلی نشانی ہے۔ پس جن علماء اسلام نے آیت " فلما بلغ معہ السعی " سے اس بات پر استدلال کیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بحالت شیر خوارگی مکہ میں نہیں بسایا بلکہ اس وقت انہیں مکہ میں لے آئے جب کہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تھے اور بخاری شریف کی حدیث مبارک بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما کو از قبیلہ اسرائیلیات قرار دیا، کے سوا کچھ بھی نہیں اور اسی طرح جن جید علماء نے ان کے سوال کا جواب دیا وہ بھی تکلیف سے خالی نہیں۔ کما لا یخفی۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب ہم سے یوں سوال کرے

آخر مذکورہ آیت سے استدلال کرنا کیوں تحکم ہے؟ ہم اس کا جواب یہ دیں گے: " فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعْیَ " سے قطعی طور پر یہ معنی مراد لینا کہ جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا۔ آیت کا

یہ ترجمہ کوئی قطعی اور حتمی نہیں ہے نہ "لغۃً" اور نقلاً "لغۃً" اس لئے نہیں کہ سعی کے مفہوم میں عمر کی کوئی قید نہیں اور نقلاً اس لئے نہیں کہ خود حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے اس کا ترجمہ ایسا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے "فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السعی" کا ترجمہ یہ کیا جیسا کہ تفسیر خازن میں ہے : قَالَ ابن عباس رض یعنی "المشیٰ مَعَهُ الی الجبل" اور معالم میں یہ ہے : قَالَ ابن عباس رض و قتادہ، یعنی المشیٰ مَعَہ۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما، اور قتادہ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ... پس جبکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس جگہ پہنچے جہاں حجاج دوڑ کر چلتے ہیں تو [illegible] حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سامنے اپنا خواب ظاہر کیا۔ اس لئے بعض مفسرین نے فارسی اور اردو میں یہی ترجمہ اختیار کیا جبکہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان پہنچے۔

یعنی "السعی" سے مطلب مقام السعی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس صورت میں مضاف محذوف ماننا پڑے گا تو اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں جیسے وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ اور اور مقامات میں مضاف محذوف اتفاقاً مانا جاتا ہے تو صاف طور پر اس آیت مبارکہ کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعۂ قربانی سے ہے نہ اس واقعہ سے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلی بار

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام و حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مکہ میں
بسائے ہیں اس میں رشک نہیں، وہ معنی بھی حضرت ابن
عباس رضؓ نے بتائے ہیں جو ان حضرات نے مراد لئے ہیں مگر وہ
مرجوع ہے پھر محض مرعوبیت اور دینی مزاج نا آشنا انسانوں
کے اعتراض سے بچنے کے لئے آیت کا راجح معنی چھوڑنا اور ذبح ثانی
کے واقعہ کو شیر خوارگی حالت پر چسپاں کرنا اور بخاری شریف
کی صحیح حدیث کو اسرائیلیات قرار دینا مرعوبیت نہیں
تو اور کیا ہے۔ اسی طرح جس جید عالم نے مقدم الذکر مرجح
کی مرعوبیت ظاہر کی اور اس پر واضح دلائل پیش کئے پھر
ان کا خود یہ فرمانا اور جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام و حضرت اسماعیل
علیہ السلام کو مکہ میں آباد کیا تھا تو ان کے لئے دعا کرتے ہوئے
اس طرح رب العزت خدائے برتر کا شکریہ ادا کیا:

"الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل
واسحٰق" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی:
کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو بڑھاپے
میں (دو فرزند) اسمٰعیل اور اسحٰق عطا کئے"

افسوس ہے، اگرچہ اس بزرگ کی علمیت و عظمت
اور ان کا ایثار و اخلاص مسلّم ہے مگر ہم ان سے اس لئے
اتفاق کرنے سے قاصر ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس بات پر اتفاق
ہے۔ جیسا کہ انہوں نے خود ثابت کیا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

عمر میں حضرت اسحٰق علیہ السلام سے تیرہ برس بڑے ہیں یعنی حضرت اسحٰق حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی پیدائش کے تیرہ برس بعد تولد ہوئے تو پھر کیونکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کی حالت میں مکہ میں بساتے وقت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں دعا فرماتے ہیں۔ جس میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسحٰق علیہ السلام کا بھی ذکر ہے:

"وَمَا هٰذَا اِلَّا عَجَبٌ مِنْ يَقُرُّ عَمَّا يَغُرُّ وَ يَقُوْلُ مَالَا يُرِيْدُ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔"

۱: فطالع فی ھذا المقام بالامعان فی قصص القرآن لسعی تعلم ما قلنا و ماقلت الا بالبرھان۔
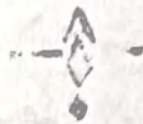
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام قرآن کی روشنی میں

اب ہم قرآن کریم کی چند آیتیں معہ ترجمہ پیش خدمت کرتے ہیں۔ جن میں بالواسطہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوش بدوش یا مستقل طور پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعض کارہائے نمایاں، اوصاف حمیدہ اور ذکر جمیل کا بیان ہو۔

(ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ)

پارہ الم!

۱۔ وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○

پھر درمیان میں ایک آیت چھوڑ کر فرماتے ہیں:

۲۔ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

۳۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

۴۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

آیات مذکورہ کا ترجمہ:۔

اور ہم نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کو اس بات کا حکم دیا کہ تم دونوں میرے گھر کعبہ کو پاک و صاف رکھا کرو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں، رکوع و سجود یعنی نماز پڑھنے والوں کے لئے"

پھر درمیان میں ایک آیت چھوڑ کر فرماتے ہیں:

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب ابراہیم و اسمٰعیل (علیہما السلام) کعبہ شریف کی دیواریں بلند کرتے جاتے اور یہ دعا بھی ساتھ ساتھ کرتے جاتے تھے کہ اے پروردگار ہم سے تعمیر کعبہ کی یہ خدمت قبول فرمایئے، بے شک آپ خوب سُننے والے اور جاننے والے ہیں۔

اے ہمارے پروردگار ہم کو اور بھی زیادہ اپنا فرمانبردار بنائے اور ہماری ذریت سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کیجیے جو آپ کے احکام کی بجان و دل فرماں بردار بنے اور ہم کو حج کے تفصیلی احکام سے خاص طور پر روشناس فرمائیے۔

اے پروردگار ہماری ذریت میں ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمائیے جو ان ہی میں سے ہو، جو ان لوگوں میں آپ کی آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو آپ کی کتاب منزل سکھائے اور حکمت و اسرار کی باتیں اور ان کو شرک و کفر سے پاک کرے، بے شک آپ غالب زبردست حکمت والے ہیں۔" اس وقت

ضمناً و تیمناً للفائدہ آپ حکمت کے معنی بھی سمجھ لیجئے۔
تفسیر خازن میں حکمت کی تعریف میں متعدد اقوال نقل کئے گئے ہیں، جن میں سے یہ معنی قابل ذکر ہیں۔

۱- "ھِیَ الاصابۃُ فی القول والعمل ولا یسمّی الرجل حکیماً الا اذا اجتمع فیہ الامران۔" یعنی! قول و فعل میں درستی قائم کرنے کا نام حکمت ہے اور یہ کہ حکیم صرف اس شخص کو کہیں گے جس میں قول و فعل میں درستی اور راستی پائی جاتی ہو۔

۲- "ھِیَ التی تردّ عن الجہل والخطأ۔" حکمت اُن اسرار و معانی کا نام ہے، جو آدمی کو جہالت و نادانی اور غلطیوں سے دُور رکھے۔

۳- "معرفۃ الاشیاء بحقائقھا۔" اشیاء کی معرفت اس طرح حاصل کرنا کہ ان کی اصلیت و حقیقت آدمی پر عیاں ہو جائے۔

یہ معمولی معنی نہیں حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ دُعا فرماتے تھے: "اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حقائقَ الاشیاءِ کما ھِیَ" کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اشیاء کی معرفت اس طرح عطا کر کہ اُن کی اصلیت و حقیقت ہم پر منکشف اور عیاں ہو جائے۔

۴- حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حکمت کے معنی دریافت کئے گئے تو آپ نے اِن الفاظ میں اس کی تفسیر

فرمائی: المعرفۃ فی الدین والفقہ فیہ والاتباع لہ" کہ دین کی معرفت، اس کی سمجھ اور پھر اس کی اتباع وپیروی کرنا۔

۵۔ قتادہ نے اس کی تعریف اس طرح کی "الحکمۃ ھی السُنّۃ" یہ سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔

۶۔ ھی الفصل بین الحق والباطل " جو علم حق اور باطل میں امتیاز پیدا کرے اس کا نام حکمت ہے۔

۷۔ ھی العلم باحکام اللہ تعالیٰ التی لا یدرک علمھا الا ببیان الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والمعرفۃ بھا منہ۔" یہ حکمت نام ان ربانی احکام کا اس طرح علم حاصل کرنا کہ جو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے اور تفسیر کے بغیر حل نہیں ہو سکتا۔

۸۔ معرفۃ الاحکام والقضا " احکام اور فیصلہ جات کی پہچان اور شناخت حاصل کرنا۔

۹۔ ھی فہم القرآن: قرآن مجید کے معانی ومطالب جاننے اور سمجھنے کا نام حکمت ہے۔

۱۰۔ وھی ما فیہ من المصالح الدینیۃ والاحکام الشرعیۃ " دینی اور شرعی احکام کی مصلحت اس طرح سمجھنا کہ آدمی ان کی تہ تک پہنچ جائے۔

۱۱۔ کل کلمۃ وعظتک او دعتک الی مکرمۃ

اَوْنَهِیُكَ عَنْ قَلْبِیہ " یعنی حکمت اس کلمہ کا نام ہے جو سُننے والے کو نصیحت یا نیکی کی طرف دعوت دے اور گناہوں اور برائیوں سے اس کو دُور رکھے۔

ذَالِكَ مِنَ الْحَانِ

بہرحال سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیتوں سے خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور آپ کے ذکر و فکر اور قال و حال پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے۔ اور خاص کر یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں اور آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ کعبہ شریف کی تعمیر میں نہ صرف شریک تھے بلکہ اس کے بنانے کے بھی مامور من عند اللہ تھے گویا یہ کہ شرکت و ماموریت بواسطہ جناب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھی۔ آپ کی تعمیر کعبہ شریف میں شرکت دو طرح ہو سکتی ہے۔

۱۔ کہ پتھر گارا مزدوروں کی طرح اپنے والد بزرگوار کو دیتے کرتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بطور معمار کام کرتے تھے چونکہ دونوں کی محنت و عرق ریزی سے کعبۂ مقدسہ کی تعمیر و تکمیل ہوئی، اس لئے رفع قواعد یعنی دیواریں بلند کرنے کی نسبت دونوں باپ بیٹے حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی طرف علی التسویہ اور مساویانہ طریقہ پر کی گئی۔

۲۔ یا ان کی طرف رفع قواعد کی نسبت اس لئے کی کہ بھی

کبھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی کعبہ شریف کی چنائی فرماتے
تھے تو اس اہتمام سے آپ کی طرف رفع القواعد کی نسبت
کرنا ظاہر و باہر ہے۔ بہرحال یہ تو عام ہے مگر ان قرآنی آیات
سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی فضیلت و خصوصیت واضح
اور ظاہر ہوتا ہو جاتی ہے۔

ثانیاً۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نوعمر ہونے کے باوجود اس کارِ
خیر کی تعمیر میں شوق و ذوق اور وہی کشش، دل کی رغبت
اور قبولیت کی ہوس اسی طرح برابر رکھتے ہیں جو ان کے
بوڑھے والدِ بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام رکھتے
تھے۔ آپ اندازہ تو فرما سکتے ہیں کہ جب نوعمر فرزندِ ارجمند
کے یہ [illegible] جذبات و خیالات ابتدائی عمر میں ہی ہوں
تو آخری عمر میں ان کا درجہ اور مقام کتنا بلند اور ارجمند ہوگا۔

ثالثاً۔

ان آیات پر غور کرنے سے حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل
علیہما السلام کی اصل غرض و غایت ظاہر ہوتی ہے کہ اس مقدس
تعمیر سے باپ بیٹے دونوں کے دونوں اخلاص اور رضائے الٰہی
کے طلب گار تھے۔ معاذ اللہ اس مقدس کارِ نیک سے ظاہری
شان و شوکت کا اظہار نہ تھا بلکہ اظہارِ عظمت و
بزرگی سے ان [illegible] مقدس قلوب پاک و صاف تھے وہ صرف
اسی لئے نہیں بلکہ اپنی ذریت کے لئے بھی ربّ العالمین

سے ہدایت و سعادت اور رشد و ہدایت کی دعا فرماتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اسی اخلاص و طلب رضاءِ رحمٰن کا نتیجہ ہے کہ ہزاروں سال گزرنے اور سینکڑوں انقلابات و حوادث پیش آنے کے باوجود بھی اس مقدس گھر کی عظمت و ارجمندی میں کوئی کمی یا فرق نہیں آیا، بلکہ روز بروز اور دن بدن اس کی عظمت ظاہری و معنوی میں ترقی اور اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے اور اگر کسی نے کعبۃ اللہ کے برخلاف کوئی حرکت کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے خلاف جبار السموات والارض نے غیبی فوج بھیج کر ان کو کعصف ماکول بنایا۔ یہ سب کچھ سیدنا حضرت ابراہیم و سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے اخلاص، ایثار اور ربانی ہدایت پر عمل کرنے کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جس میں ہم سب کے خاص کر اہل مذہب کے لئے بہت بڑا سبق اور پند ہے کہ نیک کام میں بھی اسی وقت برکت و پائداری ہوتی ہے جبکہ نیک کام کرنے والے کا دل و دماغ اخلاص و ایمان سے معمور اور منور ہو کر جس کی ہم لوگوں میں بہت کمی ہے۔ گو آج بھی ہم لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور انبیاء کرام و اولیاء عظام کی پیروی کی ڈینگیں مارتے ہیں اور احیاء دین کے لئے کوششیں بھی کرتے ہیں، مگر پھر بھی ہماری کوششیں اور محنتیں بار آور نہیں ہوتیں؛ وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل اخلاص سے خالی اور نفسانی خواہش اور ہوا پرستی کی گندگی سے بھرے

پڑے ہیں اور طاغوت سے بچنے کے لئے طاغوتی نظام کے پیروکار بننے کے لئے مرمٹے ہیں تو آپ ہی بتایئے کہ ہم اپنے مقدس مشن میں کیونکر کامیاب ہوں گے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ہم اتنے ہوا پرست بن گئے کہ ذاتی ہوسِ اقتدار کے لئے ہم اسلامی ملکوں کی شکست و ریخت اور ان کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑتے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر ہمیں حامیانِ دین اور محبانِ اسلام کہا جائے تو پھر اعداءِ دین اور دشمنانِ دین کس کو کہیں۔

اے اللہ! آپ ہمارے دلوں کو اسی طرح ایمان و اخلاص سے بھر دیجئے جس طرح آپ نے حضرت خلیل اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مقدس دلوں کو اپنے اخلاص سے معمور اور منورہ بنایا اور ہمیں بھی اپنے پاک دین کی خدمت کرنے کی سعادت نصیب فرمائیے، آمین یارب العالمین۔

رابعاً:۔

اپنے دین و اعتقاد میں اتنے راسخ اور پکے ہیں کہ دعا فرماتے ہیں: اے پروردگار! ہماری اولاد میں ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمایئے کہ جن کی برکت سے اس گھر کی حرمت و عزت ہمیشہ کے لئے قائم و دائم رہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کی یہ دعا اس طرح قبول فرمائی کہ اللہ تعالےٰ نے جناب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی نسل سے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب و عجم کی طرف مبعوث فرمایا اور اس دعا

کے مصداق آپ ہی ہیں: صلی اللہ علیہ آلہ وسلم جس پر صحیح حدیث گواہ ہیں۔
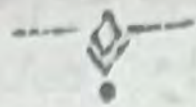
حضرت ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق علیہم السلام کی خداپرستی کے متعلق

"اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ آبَائِكَ اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمٰعِيلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ۔"

ترجمہ:- اے یہود! کیا تم اس وقت موجود تھے جب کہ حضرت یعقوب ابن اسحٰق علیہما السلام کو وقت آخر آیا اور جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے دریافت کیا: تم میری وفات کے بعد کس کی پرستش کروگے تو انہوں نے جواباً کہا: کہ ہم آپ کے پروردگار اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق علیہم السلام کے پروردگار کی عبادت کریں گے، ان سب کا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔"

(نقطہ) اس آیت کریمہ سے جہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تو خداپرستی سمجھ میں آئی وہاں ان کا صاحب شریعت

جدیدہ کا نہ ہونا بھی واضح ہوتا ہے۔ کما لا یخفی" سورۃ النساء میں فرماتے ہیں:

"اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا"

ترجمہ:- بے شک ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی ہے جیسے نوح کے پاس وحی بھیجی تھی۔ اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب، اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کے پاس وحی بھیجی تھی۔ اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی۔"

اس آیت مبارکہ میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اولوالعزم پیغمبروں میں شمار کیا ہے وہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا صاحب کتاب اور صاحب شریعت جدیدہ نہ ہونا بھی واضح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے، کہ عربی کا حرف واو (و) مطلق جمع کے لئے آتا ہے۔ اس میں ترتیب کا خیال نہیں آتا لہذا اب یہ سوال پیدا نہیں ہوگا کہ حضرت داؤد و سلیمان اور باقی وہ پیغمبر علیہم السلام جو آیت میں مذکور ہیں، جیسے

حضرت ایوبؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت یونس علیہم السلام
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے ــــ یہاں سوال اٹھتا
ہے! تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آیت مبارکہ میں اُن پر کیوں مقدم
کیے گئے ہیں؟ جواب واضح ہے کہ آیت میں اُن چار پیغمبروں
پر مقدم کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں اُن پر تقدم زمانی
بھی حاصل ہے۔ کیونکہ آیت میں واو (و) مطلق عطف اور جمع
کے لئے آتا ہے۔

سورۂ انعام میں فرماتے ہیں:

"وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَالۡیَسَعَ وَیُوۡنُسَ وَلُوۡطًا ؕ وَکُلًّا
فَضَّلۡنَا عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ" ترجمہ: اور ہم نے طریق حق
کی ہدایت کی، اسمٰعیلؑ کو یسعؑ کو اور یونسؑ کو اور لوطؑ کو
اور ان سے ہر ایک کو اُن کے اہل زمانہ پر فضیلت دی۔

غرض اس آیت مبارکہ سے بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
کی عظمت و برتری واضح ہو جاتی ہے۔ مگر یہ واضح رہے کہ
آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی فضیلت اُن اہل زمانہ
پر ثابت ہوتی ہے جو جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
وفات کے بعد دُنیا میں تھے ورنہ اعتراض پیدا ہوگا کما
لا یخفیٰ۔

سورۂ مریم میں فرماتے ہیں:

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت اسمٰعیل
علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ زیر نظر رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے

ارشاد ہوتا ہے :

" وَاذکرفی الکتاب اسمٰعیل انہٗ کان صادق الوعد وکان رسولاً نبیا ○ وکان یامر اہلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وکان عند ربہٖ مرضیا ○

ترجمہ :- اور آپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو یاد کیجیے کہ وہ وعدہ کے سچے اور رسول و نبی تھے اور وہ اپنے اہل و عیال کو نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکیدو تلقین فرماتے تھے اور بے شک وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

حضرت اسمٰعیل ؑ کے وعدہ کے سچے اور پکّے ہونے کے متعلق مفسرین نے متعدد مثالیں دی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک مرتبہ کسی سے وعدہ کیا کہ اُنکی واپسی تک اسی جگہ ٹھہرے رہیں گے جہاں وہ اس وقت قرار پذیر تھے، مگر وہ تین روز تک بعض کے نزدیک سال بھر تک واپس نہ آیا مگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے وعدے کا خیال رکھتے ہوئے وہاں سے ٹلنا پسند نہیں کیا یہانتک کہ وہاں ٹھہرنے میں ان کو اتنی تکلیف ہوئی کہ اس مدت میں آپ بجائے غذا درخت کی چھال کھاتے تھے۔

خازن نے صادق الوعد کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب حضرت اسمٰعیل ؑ کو اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم ؑ نے اپنا خواب اُن کو ذبح کرنے کے متعلق بیان کیا تو انھوں نے خواب ہی عرض کیا: کہ آپ حکم خدا کی تعمیل کیجیے میں تو ذبح ہونے کیلئے تیار

رہوں گا جس وقت انہوں نے یہ جواب اپنے والد بزرگوار کو دیا تو اس وقت اپنے نفس سے وعدہ کیا کہ بات میری زبان سے نکل گئی ہے انشاء اللہ اس پر ثابت قدم رہونگا چونکہ یہ معمولی وعدہ نہ تھا، یہاں جانِ عزیز قربان کرانے کا سوال تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں "صادق الوعدہ" کا سچا جیسا عظیم لقب عطا فرمایا۔

اسی طرح سورۃ انبیاء اور دیگر آیاتِ بیّنات میں بھی حضرت اسمٰعیل ؑ کا ذکرِ جمیل ہے جس کا کچھ حصہ خاص کر متعلق ذبح حضرت ابراہیم ؑ کے تذکرہ میں مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے اور پھر ہمارے تذکرہ سے استیعاب اور احاطہ مقصود نہیں لہٰذا ہم نے آیات مذکورہ بطور نمونہ و تبرک کے اس مختصر تذکرہ میں تحریر کیں جس سے حضرت اسمٰعیل ؑ کی شان، رفعت اور ارجمندی واضح کرنا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنی آیات پڑھنے اور ان پر پورے اخلاص و اعتقاد سے عمل کرنے کی توفیق و سعادت نصیب کرے آمین۔

اسی طرح اور بھی کئی سورتوں میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکرِ جمیل اور اوصافِ حمیدہ کا بیان ہے جنکی تفصیل و تشریح کی اس وقت ضرورت نہیں پھر ان کے لئے ضخیم اور تفسیر کی کتابیں موجود ہیں، شائقین مطالعہ ان کی طرف مراجعت فرما سکتے ہیں کیونکہ ہم اس مختصر کتابچہ میں انبیاء کرام ؑ کے مختصر اور چیدہ چیدہ واقعات اس غرض سے لکھ رہے ہیں کہ نوجوانانِ ملت میں پھر وہی جوش و خروش، عزم و ہمت، ثبات و استقلال اور دینی اور اصلاحی

کاموں میں اسقدر رغبت پیدا ہو جائے کہ خود بھی اور اپنے عزیز و اقارب دوستوں اور اہل وطن کو بھی تلاوتِ قرآن اور فہمِ قرآن کی طرف متوجہ خود بھی ہو جائیں اور دوسروں کو بھی متوجہ کریں۔ البتہ سورۂ صافات کی وہ آیتیں جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کے واقعہ خواب قربانی سے متعلق ہیں اور جو آیتیں خصوصیت کے ساتھ حضرت اسمٰعیلؑ کا بے مثال اخلاص و ایثار ظاہر کرتی ہیں۔ اُن آیات کا اس مقام پر بیان ہونا ضروری تھا مگر آج سے ستائیس ۲۷ سال قبل ہم تذکرہ ابراہیم میں وہ لکھ چکے ہیں تو اب اس جگہ واقعۂ ذبح و قربانی دہرانے کی ضرورت نہیں البتہ یہ سوال اس سلسلہ میں باتر ود باقی رہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبل انسان اور آدم قربان کرنے کا تصور لوگوں میں تھا یا یہ بات ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلبِ مبارک میں بذریعہ الہام الٰہی اس کا تصور آیا۔ یہ سوال قابلِ غور ضرور ہے اسکا جواب کہ آدمی قربانی کرنے اس کی قربانی سے تقرب الی اللہ ڈھونڈنے کا سوال حضرت ابراہیمؑ سے پیشتر دنیا میں نہ تھا کہ انسانی عزت و احترام ہمیشہ سے قائم تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے انسان قربان کرنے کا دنیا میں رواج اور معمول تھا تو پھر اس واقعہ کی ندرت اور عظمت چنداں اتنی نہیں رہتی جتنی اس وقت اس کی انسانی اور اخلاقی دنیا میں پائی جاتی ہے البتہ نفس قربانی کا تصور حضرت آدم علیہ السلام ہی کے وقت سے دنیا میں تھا۔ جیسا کہ آیت "وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا

"متقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر الی اخر"

کہ اے نبی آپ ان لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا واقعہ بیان کیجیے کہ جب ان دونوں نے قربانی کی تو اُن میں سے ایک کی قربانی بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی اور دوسرے کی قربانی نامقبول ہوئی۔ اسکی تفصیل اپنی جگہ پورے شرح و بسط سے مذکور ہے۔ بہر حال قربانی کا مقصد و منشا تقرب الی اللہ اور طلب رضاء حق کے سوا کچھ بھی نہیں جبکہ طلب گار حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہ السلام دونوں تھے اس لیئے جگہ جگہ اللہ تعالےٰ نے فرقان حمید میں ان کا ذکر و ثنا فرمایا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات کا مختصر بیان!

جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو چھتیس (۱۳۶) سال کی ہوئی تو دار دنیا سے کوچ کر گئے

اس وقت اُن کے سامنے اُن کی اولاد اور اولاد کی اولاد کا بہت بڑا سلسلہ دور دراز اطراف تک پھیل گیا تھا۔ جو حجاز شام، عراق، فلسطین اور مصر تک پھیلا ہوا تھا

جناب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فرزندوں کی تعداد بارہ ۱۲ بتائی جاتی ہے جن کے اسماء یہ ہیں:

نبالوت، نافیش، قیدار، ادبئیل، ہشام، شماع، زور، ممنشا، عدار، تیما۔ ان کے علاوہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایک صاحب زادی بھی تھی جس کا نام بشامہ یا محلاۃ تھا۔ والسلام الاتم الاکمل للہ رب العلمین۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مدفن

اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مدفن کہاں اور کس جگہ واقع ہے۔ مصنف قصص القرآن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات کے ایک اشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فلسطین ہی میں مدفون ہیں۔

اور عرب مؤرخین فرماتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام دونوں بیت اللہ کے قریب حرم کے اندر مدفون ہیں۔
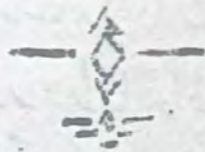
حضرت اسحٰق ابن ابراہیم علیہما السلام کے مختصر حالاتِ طیبات

حضرت اسحٰق علیہ السلام بالاتفاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے ہیں جو اللہ تعالٰی نے آپ کو اس وقت عطا کیا جب کہ آپ کی عمر مبارک ابن اسحٰقؒ کی تحقیق کے مطابق ایک سو بیس ۱۲۰ سال اور حضرت سارہ علیہا السلام کی ننانوے ۹۹ سال کی تھی اور مجاہدؒ کہتے ہیں : حضرت اسحٰقؑ کی ولادت باسعادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر مبارک ایک سو سال اور حضرت سارہؑ کی عمر مبارک نوے ۹۰ سال کی تھی (ماخوذ من خازن)

اسحٰق کا معنیٰ اور وجہ تسمیہ

جس وقت خدا تعالٰی کے فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی بشارت دی تو حضرت سارہؑ پردہ میں اپنی ہوئی یہ بشارت اور فرشتوں کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات چیت سن رہی تھیں ، جب انہوں نے اولاد کی خوشخبری سُنی تو حضرت سارہؑ ہنس پڑیں اور انہیں تعجب ہوا کہ کیا اس عمر میں بھی ایک عورت کو بچہ پیدا ہو سکتا ہے ۔ جیسا کہ سورۃ ہود کی ان آیات سے واضح ہے : " وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا

بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ○ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ○ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ○

(فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ اندیشہ نہ کیجئے ہم تو لوطؑ کی طرف بھیجے گئے ہیں یہ باتیں حضرت ابراہیمؑ کی بیوی حضرت سارہؑ کھڑی ہوکر سن رہی تھیں تو وہ ہنس پڑیں۔ آپ نے انکو اسحٰقؑ اور اسحٰق سے پیچھے یعقوبؑ کے پیدا ہونے کی بشارت دی، کہنے لگیں کہ ہائے افسوس! کیا اب میں بڑھیا ہوکر بچے جنوں گی (اس پر طرہ یہ کہ میرا خاوند بالکل بوڑھا ہے۔ واقعی یہ عجیب بات ہے) فرشتوں نے کہا: کیا تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو۔ اور خاصکر اس خاندان کے لوگو! تم پر تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور اسکی برکتیں ہیں۔ بیشک وہ اللہ لائق تعریف اور بڑی شان والا ہے۔"

ان آیات سے اتنا ضروری طور پر معلوم ہوا کہ حضرت اسحٰقؑ کی بشارت ملتے وقت حضرت سارہؑ کو ہنسی آئی اور تعجب ہوا، اس لیے نام بھی ایسا تجویز کیا گیا جو مسرت و شادمانی پر دلالت کرے جیسا کہ عبری زبان میں اسحٰق دلالت کرتا ہے اور یہ کہنا کہ یہ لفظ یضحک سے بنا ہے اور پھر اس میں لسانی تغیرات آگئے ہیں اور یہ کہ فعل مضارع کو بھی اہل عرب علمیت کی جگہ بولتے ہیں تکلف سے خالی نہیں۔ بہرحال اصلی بات کہنے کی تو یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل

حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چودہ سال بڑے ہیں۔ "الحمدُ لِلّٰہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق" یہ قسم کی تعریف اس خدا کیلئے سزاوار ہے جس نے مجھے بڑھاپا میں اسمٰعیل اور اسحٰق عطا کئے۔

اس مقام پر چند مقامات مسلّم ہیں آپ بھی وہ ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد تقریباً چودہ سال ہوئی۔

۲۔ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت ایسے وقت ہوئی جبکہ آپ کے والد بزرگوارؑ کی عمر مبارک سو برس یا ایک سو بیس برس کی تھی۔

۳۔ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت بعد ہجرت ہوئی اور اس وقت تک حضرت ابراہیمؑ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ جیسا کہ اس کی تصریح قدیم و جدید مفسرین کرام نے کی ہے اور اس دعویٰ پر نصّ قطعی بھی دلالت کرتا ہے: "وقال انی ذاھبٌ الی ربی سیھدین رب ھب لی من الصالحین فبشرناہ بغلامٍ حلیم۔ (نار نمرود سے نجات پانے کے بعد) حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی: میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں یعنی یہاں سے ہجرت کروں گا۔ وہ مجھے کسی اچھی جگہ پہنچائیگا، چنانچہ وہ ملک شام میں پہنچے اور دعا کی "رب ھب لی من الصالحین" اے میرے پروردگار! مجھے نیک فرزند عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم نے اُنکو ایسے فرزند کی بشارت دی جو حلیم و بردبار ہو اور یہ بات ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید میں حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت

غلام حلیم اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی صفت غلام علیم سے بیان فرمایا ہے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں، بلکہ سورۂ والصافات کی مذکورہ آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت سے پہلے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام عطا فرمایا۔

۴۔ رابعاً: قرآنی آیات باہم مربوط اور تسبیح کے دانوں کی طرح ہیں اور ان کے معانی و مفاہیم میں بھی باہم شدت تسلسل اور اتصال ہوتا ہے وہ کوئی ایسی تاویل قبول نہیں کرتے جو ان کے تسلسل و اتصال کو ختم کرے۔

اب مقدمات اربعہ مذکورہ ملاحظہ کرنے کے بعد آپ سورۂ الانبیاء رکوع ۵ کی درج ذیل آیات کی تلاوت کیجیے۔ اور ان کے معانی اور مطالب پر غور کیجیے اور مقدمات مذکورہ پیش نظر رکھیے تو وہ عجیب غریب سوال پیدا ہوں گے جن کے جواب دینے میں کسی مفسر نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی، کیونکہ سوال ہی ان کے سامنے نہ آیا تو وہ جواب کیا مرحمت فرماتے! لہٰذا آپ پہلے سورۂ انبیاء رکوع ۵ کی ساری آیتیں ملحوظ رکھیے تب سوال و جواب پر غور کیجیے۔ آیات یہ ہیں:

• وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ۝

اس سے پہلے بھی ہم نے ابراہیم کو رشد و ہدایت عطا کی تھی اور اس کو اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ اس کے لائق ہیں۔

• إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۝

یاد کیجیے وہ موقع جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ یہ مورتیاں کیسی ہیں کہ جن پر تم لوگ عبادت کیلئے جمے ہوئے ہو۔

● قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ○

انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو (اسی طرح) ان کی عبادت کرتے دیکھا ہے۔ ● قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ○ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ○

ابراہیم نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادے بھی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ سن کر کہا کیا آپ اصلی خیالات کہتے ہیں یا مذاق کرتے ہیں۔

● قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ○ وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ ○

ابراہیم نے جواب دیا نہیں بلکہ تمہارا پروردگار وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا۔ اس پر میں تمہارے سامنے گواہوں میں سے ہوں، اور خدا کی قسم میں تمہاری عدم موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔ چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

● فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ○ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ○

اور صرف اُن کے بڑے کو چھوڑ دیا، شاید کہ وہ اُس کی طرف رجوع کریں۔ (انہوں نے آکر بتوں کی یہ بدترین حالت دیکھی تو) کہنے لگے ہائے ہمارے خداؤں کا کس نے یہ حال کیا؟ بیشک ایسا کرنے والا کوئی بڑا ہی ستمگر ہوگا۔

● قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝

کہنے لگے ہم نے ایک نوجوان کو اُن کا ذکر کرتے سُنا ہے جسکا نام ابراہیم ہے۔

● قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓي اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ

انہوں نے کہا اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ لوگ اس کی (اس کارروائی) گواہی دیں۔

● قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ڰ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْــَٔـلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝

ابراہیم علیہ السلام کے حاضر کرنے پر انہوں نے پوچھا: ابراہیم! تُو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ انہوں نے کہا: کرنے والے نے کی ہے ان کا بڑا تو یہ ہے بے خبر پھر ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

● فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

یہ سُنکر انہوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا کہ اصلی بات کیا ہے

● ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ ۝

پھر وہ مارے شرم کے اپنے سروں پر اوندھے گر گئے اور بولے کہ تم جانتے ہو کہ بولتے نہیں۔

• قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝

ابراہیم نے فرمایا پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی بندگی کرتے ہو جو نہ تمہارے نفع پہنچانے پر طاقت رکھتے ہیں اور نہ وہ تم کو نقصان ہی پہنچا سکتے ہیں۔

• اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

افسوس ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ انہوں نے کہا جلا ڈالو اس کو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تم کچھ کر سکتے ہو۔

• قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝

ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جاؤ اور سلامتی بن جاؤ ابراہیم پر۔ وہ چاہتے تھے ابراہیم کے خلاف تدبیر کریں۔ تو ہم نے ان کو بری طرح ناکام کر دیا۔

• وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

اور ہم اسے اور لوط کو اس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔ اور

ہم نے ابراہیم کو اسحٰق عطا کیا اور یعقوب اس پر مزید
ان میں سے ہر ایک کو نیک بنایا

حضرات! آپ آیاتِ بالا کا جستہ جستہ غور کیجئے تو
دو باتیں ضرور معلوم ہو جائیں گی جو ہمارے پیش کردہ چاروں
مسلّمہ مقدمات کے برخلاف ہیں۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ
ان کی جوانی کا زمانہ ہے، جس پر آیت "سمعنا فتیً یذکرہم
یقال لہ ابراہیم" گواہ اور شاہد عادل ہے اور پھر اس کے
بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت فرما کر اولاد کے لئے دعا
فرماتے ہیں۔ یہ بھی مطابق آیات آپ کی جوانی کا زمانہ ہے اور
پھر اس دعا کا اثر تب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت
اسحٰق علیہ السلام عطا کیا اور مسلّمہ ہے کہ ہجرت سے پہلے آپ
کو اولاد بالکل نہ تھی۔

تو اس سے نہایت آسانی سے دو باتیں سمجھ میں آگئیں:
(۱) کہ حضرت اسحٰق ؑ کی پیدائش اس وقت ہوئی جبکہ حضرت ابراہیم ؑ
جوان سال تھے؛ جب ہی تو ان پر محاورات عرب کے مطابق
"فتیً" کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام
ہیں کیونکہ بناء بر مقدمات اربعہ مذکورہ کے ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت
سے پہلے اولاد بالکل نہ تھی اور یہ دونوں باتیں مسلّمات کے برخلاف

ہیں اور العنکبوت کی تحتانی آیات سے بھی یہی مضمون سمجھ میں آتا ہے کہ پہلے حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش پھر حضرت اسمٰعیلؑ کی۔ حالانکہ یہ کسی عالم کا مسلک نہیں۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ "

ترجمہ: " حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے آگ سے نجات پانے کے بعد اعلانیہ حضرت ابراہیم کی تصدیق کی، اور ابراہیمؑ نے کہا: میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، وہ زبردست اور حکمت والا ہے، اور اسے (ابراہیمؑ) کو اسحٰقؑ اور ان کا بیٹا یعقوبؑ عطا کیا اور اس کی نسل میں اور کتاب رکھدی اور اسے دنیا میں اس کا بدلہ عطا کیا اور وہ یقیناً آخرت میں نیکو کاروں میں سے ہوگا۔"

ان آیات سے بھی صاف طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ ہجرت کے بعد اللہ تعالٰے نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام عطا کیا اور ہجرت سے پہلے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد مطلق نہ تھی۔ پس اگر حضرت اسمٰعیلؑ فی الواقع حضرت اسحٰقؑ سے چودہ سال بڑے ہوتا تو ہجرت کے بعد پہلے انہی کی پیدائش کا ذکر ہونا چاہیئے تھا، اور بجائے اسحٰق، اسمٰعیل علیہ السلام

کا ذکر ہونا چاہیے تھا اور پھر حضرت اسحٰق ؑ کی پیدائش کے وقت
تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھاپا کو نہیں پہنچے تھے۔ جیسا کہ
سورۃ انبیاء کی آیاتِ مبارکہ سے صاف طور پر سمجھ میں آتا ہے
معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ یہ تو کوئی معمولی درجہ کا مسلمان
کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ آیاتِ الٰہیہ متضاد ہوں،
یا اس کے مضامین میں کسی قسم کا تخالف اور تباین ہے،
تو یہ پھر ظاہری تضاد و تباین کس طرح دور ہو سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک آسان جواب یہ ہے

کہ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شک گذرا یقیناً اس
وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام "فتیٰ" یعنی نوجوان تھے مگر
اس کے فوراً بعد انہوں نے حضرت ابراہیم ؑ کو آگ میں نہیں
ڈالا۔ بلکہ سالہا اور برس ہا نمرودیوں اور حضرت ابراہیم
علیہ السلام کے درمیان باہمی مباحثہ اور مجادلہ میں گذرے
اور اتنا وقت درمیان میں گذرا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
جوانی کی حدت سے آگے بڑھے پھر جب بحثوں اور مناظروں
سے ان کو کوئی خلاصی کی صورت نظر نہیں آئی تو تب انہوں نے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا
اور اس سے نجات پاکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت
کا ارادہ فرمایا اور اولاد کے لئے دعا کی۔ بہر حال بتوں کے

توڑنے اور آگ میں ڈالنے کے درمیان کافی وقت گذر گیا تھا۔ جس پر بہت سے شواہد قرآن ہی سے ملتے ہیں اور پھر ہجرت کا واقعہ درپیش آتا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اولاد کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

اس جواب سے تو پہلا سوال رفع ہو جاتا ہے اس میں کوئی تکلف بھی نہیں "الانبیاء" کی آیات بارکہ میں ثم کا لفظ لایا گیا جو بالعموم تراخی کے لئے آتا ہے ۔۔۔۔ رہا دوسرے سوال کا جواب تو وہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

بہرحال حضرت اسحٰق علیہ السلام کا شمار عظیم الشان پیغمبروں میں ہوتا ہے۔

اور ان کے فضائل و مناقب میں بہت سی قرآنی آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارد اور ثابت ہیں، البتہ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ مفسرین کرام رحمہم اللہ اجمعین اس امر میں مختلف الخیال نظر آتے ہیں کہ ذبیح حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یا حضرت اسحٰق علیہ السلام اس سلسلہ میں ہمارے محققین و مفسرین تین گروہ میں بٹ گئے ہیں:

اولاً: وہ حضرات ہیں جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے قائل اور معتقد ہیں، ان حضرات کے پاس اپنے دعویٰ پر بہت سی دلیلیں ہیں ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ سورۂ صافات

ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب اور قصۂ ذبح تفصیل سے بیان کرنے کے بعد دلیلیں ہیں۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ○ وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۚ وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ○"

کہ ہم نے اُسے (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحٰق کی بشارت دی جو نبی اور صالحین میں سے ہوں گے اور ہم نے اُنہیں اور اسحٰق کو برکت دی اور ان دونوں کی نسل سے نیکوکار بھی ہونگے اور کھلا ظالم بھی ہوں گے۔

وجہ استدلال اس آیت سے اس طور پر ہے کہ اگر آیات ماسبق میں حضرت اسحٰق علیہ السلام ذبیح ہوتے تو پھر اُن آخری دو آیتوں میں اُن کی ولادت و پیدائش کے متعلق بشارت دینا کوئی مطلب یا معنی نہیں رکھتا اور اس سے صاف اور عیاں ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ذبیح تھے اور وہی بالاتفاق حضرت اسحٰق علیہ السلام سے عمر میں چودہ ۱۴ برس بڑے ہیں۔ لہٰذا "فلما بلغ معہ السعی" سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے علاوہ کون مراد اور مقصود ہو سکتا ہے؟ یہی آیت مبارکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر اُن کے زعم کے مطابق بہت بڑی دلیل ہے۔

لیکن میں بصد ادب سے عرض کرتا ہوں کہ اس

دلیل کی کمزوری اور وہن ظاہر ہے کیونکہ یہ آیت بھی حضرت اسحٰق ؑ کی ولادت و پیدائش کی بشارت و خوشخبری نہیں ہے، نہ صراحۃً اور نہ اشارۃً کیونکہ نحوی ترکیب ملحوظ رکھ کر ماننا پڑے گا۔ نبیاً، اسحٰق سے حال ہے پس بشارت مطلق کی نہیں بلکہ مقید کی ہے۔ یعنی اس آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کی بشارت دی گئی ہے کہ اسحٰق (علیہ السلام) آئندہ نبی اور صالحین سے ہوں گے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے لئے قربان اور نثار کرنے کے لئے پیش کیا اور یہ معنی اللہ تعالٰی کے قانونِ عدل کے عین موافق ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے عنفوانِ جوانی میں بیش بہا قربانی دی اس کے عوض میں ان کو نبوت سے سرفراز کیا جائے۔ جو لوگ علم نحو کی ابتدائی کتابوں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں "جاءَ زیدٌ راکباً" میں مطلق زید کی مجیئت مراد نہیں بلکہ اس زید کی آمد یہ مجیئت مراد ہے جو بحالت سواری کے آیا اور پھر اس معنی پر اگر غور کیا جائے تو سابقہ آیات میں جو یک گونہ اجمال تھا۔ آخری آیتوں نے اس اجمال کو توضیح اور تشریح کا جامہ پہنایا اس طرح بالعموم قرآن مجید میں اجمال پہلے پھر اس کی تفصیل ہوتی ہے۔ پس آیت "وبشرناہ باسحٰق" الیٰ آخر سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا استدلال کرنا یا اس استدلال کو آخری قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسی طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے

ذبیح ہونے پر اس تاریخی واقعہ سے استدلال کرنا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیہ میں جو مینڈھا ذبح کیا گیا تھا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ تک اس کے سینگ کعبہ شریف کی چھت پر آویختہ اور آویزاں تھے، چونکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی کی اولاد وہاں مکہ میں بستی اور آباد تھی، جو اس بات پر صاف و صریح دلیل ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی ذبیح تھے کہ مینڈھے کے سینگ ان کے اولاد نے بطور یادگار و افتخار کے کعبۃ اللہ پر لٹکائے ہوں گے۔ یہ دلیل بھی کوئی زیادہ پُروزن اور موجب اطمینان نہیں ہے کہ یہ امر بجائے خود ثابت ہے، حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کی بعض اولاد مکہ شریف میں آکر حضرت اسمٰعیلؑ سے جا ملی اور مکہ شریف ہی میں بسنے لگی تو اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اولاد یعقوب نے وہ سینگ اپنے ساتھ لاکر کعبہ مقدسہ کی چھت پر آویزاں رکھے ہوں، ولیس ھذا ببعید۔ بہرحال حقیقت کچھ بھی ہو مگر کسی جماعت کے پاس قول راجح اور موجب اطمینان دلیل نہیں ہے اور پھر حضرت اسحٰق علیہ السلام کا مکۂ معظمہ میں آنا کسی قرآنی آیت سے ثابت نہیں۔

فافهم فان الذی اشتهی الیه عسر جداً۔

(۲) مفسرین کرام اور اکابر علماء کی دوسری جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے

چنانچہ حضرت مولانا الشیخ سید عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ

غنیۃ الطالبین میں سورۃ الصّٰفّٰت کی اس آیت " یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی اَنِّیْ اَذْبَحُکَ " کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فردّ علیہ اسحٰق، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنا خواب بیان کیا تو حضرت اسحٰق علیہ السلام نے یہ جواب دیا ہے الخ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس گروہ کا اعتقاد ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق ؑ تھے اور موصوف نے حضرت اسمٰعیل ؑ کے ذبیح ہونے کو کھلے بندوں مرجوح قرار دیا ہے۔ کما تری فی الغنیۃ الطالبین۔

(۳) اہلِ تحقیق کا تیسرا گروہ محتاطین اور متوقفین کا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں توقف کر کے کہتے ہیں کہ اللّٰہ اعلم ایھما کان ذبیحًا منھما " کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ ان دو بھائیوں میں سے کونسا ایک ذبیح تھے۔ یا اسمٰعیل ؑ کہ ہمیں اشخاص و افراد سے بحث نہیں بلکہ نفس واقعہ پر ایمان لانا ضروری ہے کہ عام ازیں اسمٰعیل ؑ ذبیح تھے یا اسحٰق ؑ، کیونکہ افراد کی تحقیق نہ ہونے سے علم و عمل امید عندیات و اعتقادات میں فساد نہیں آتا البتہ ہمیں قصۂ ذبیح و قربانی کے مفہوم و منطوق کے علاوہ عمل کرنا چاہیئے اور ربانی احکام و ہدایات پر سرِ تسلیم خم کرنا چاہیئے۔ امر جزئیات کی تحقیق میں پڑ کر محرف اور منسوخ کتابوں سے استدلال کرنا اور پھر ان کو اپنی کتابوں میں بات بات پر اہمیت دینا بھی کسی وقت بہت بڑے فتنے کا موجب اور باعث بن جائے گا۔ ہمیں سابقہ کتب کے متعلق زبانِ وحی ترجمان سے واضح ہدایت ہے کہ: لا تصدقوا

وملا نکذب" کہ ہم نہ تو ان کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب اس لیے اس معاملہ میں ان حضرات کی رائے نہایت قیمتی اور برمحل ہے کیونکہ حضرت اسحٰقؑ کی یہ کیا تھوڑی فضیلت ہے کہ آپ ہی کی ذریت سے سینکڑوں اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوئے اور حضرت اسمٰعیلؑ کیلئے یہ کیا کم فضیلت و فوقیت ہے کہ آپ ہی کی ذریت سے ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی شادی کا بیان

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسحٰقؑ کی شادی اپنے بھائی بتوئیل بن ناحور سے کرائی۔ لڑکی کا نام رفقہ تھا جس سے حضرت اسحٰق کو دو ہمزاد بچے علی الترتیب عیسو اور یعقوب پیدا ہوئے اور یہ چچا حضرت اسمٰعیلؑ کے پاس چلے گئے وہاں ان کی صاحبزادی بشامہ یا باسمہ یا محلاۃ (جو بھی نام صحیح ہو) سے شادی کر لی اور ان کے علاوہ بھی شادیاں کیں اور سعیر یا ساعیر کو اپنا وطن بنا لیا اور یہاں ادوم نام سے مشہور ہوئے اس لئے ان کی نسل کو بنی ادوم کہتے ہیں۔ (خلاصہ از قصص القرآن)

حضرت یعقوبؑ کے بارہ ۱۲ فرزند ہوئے جن کے اسماء یہ ہیں:
(۱) روبیل (۲) شمعون (۳) لاوی (۴) یہودا (انکی والدہ جو لیا بنت لابان ہیں) (۵) یوسف علیہ السلام (۶) بنیامین (یہ راحیل بنت لابان کے پیٹ سے پیدا ہوئے) (۷) زبولون (۸) ایشکار (۹) دان (۱۰) نفتالی (۱۱) جاد (۱۲) آشر۔ یہ مختلف لونڈیوں کے پیٹ سے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ

نے اپنی وفات سے پہلے اپنے سب بیٹوں کو مصر بلا کر جمع کر کے
کہا: کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو چن لیا اور منتخب
کیا ہے تو لہٰذا تم اسلام ہی پر قائم و دائم رہنا اور اسی پر مرنا،
جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کا تذکرہ سورۂ بقرہ میں اس
طرح فرماتا ہے: " یٰبَنِیَّ ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا
تموتن الا وانتم مسلمون ... الخ " پہلے بھی یہ آیات معہ ترجمہ
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حالات میں آچکی ہیں۔

فائدہ :- تاریخ کے معتبر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیلؑ
کو مکہ معظمہ میں بسنے کا حکم دیا جن کی نسل مبارک سے حضرت
سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوئے، اپنے چھوٹے
بیٹے حضرت اسحٰقؑ کو اپنے ساتھ کنعان میں رکھا اور مدین کو
شہر مدین میں رہنے کا حکم دیا۔ لیکن لقیان کی اولاد آخری زمانہ
میں مکہ میں آکر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے گڈ بڈ ہو گئی اور
دوسرے فرزندوں کی اولاد شام کے اطراف میں پھیل گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے چھوٹے بیٹوں نے عرض کی
تھی کہ جناب! آپ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو خانہ کعبہ کے قریب بسایا
حضرت اسحٰقؑ کو اپنے سایۂ عاطفت میں رکھا اور ہم بدنصیبوں کو اپنے
انوار کے برکات کے علاوہ رکھ کر غربت اور وحشت کی زمین میں تنہا
ڈال دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: اے بیٹو! اس میں مجبور محض
ہوں جناب الٰہی سے ایسا ہی کلام ہوا۔ لیکن میں تم کو ہر ایک

ایک ایک اسم اعظم تعلیم کے لئے دیتا ہوں جو حلِ مشکلات اور مطلب برآوری میں کام آسکے۔ چنانچہ آپ نے ہر ایک کو ایک ایک اسم اعظم سکھایا کہ جب قحط کے وقت اس کے وسیلہ سے دعا کرے تو آسمان سے پانی برسے گا اور جب دشمن کے مقابلہ کے وقت اس کی طرف توسل لے جائے تو نصرت و فتح مل جائے۔ واللہ اعلم۔

تمت الکتاب

بہر حال! "ہنوز دہلی دور است والا معاملہ ہے" یعنی حضرت ابراہیم و اسحٰق و اسمٰعیل علیہم السلام والسلام حالات کے کما حقہا احاطہ تحریر میں نہیں آسکے مگر اس وقت اسی اجمال و اختصار پر کفایت کرتے ہیں اور ساتھ ہی واضح رہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر کوئی مستقل کتاب من جانب اللہ نازل نہیں ہوئی تھی۔ ہاں آپ پر صحیفے نازل ہوئے تھے جیسا کہ صُحفِ ابراہیم و موسیٰ سے ظاہر ہے۔ انشاء اللہ ہم اپنی تفسیر میں اسکی وضاحت اچھی طرح کرینگے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ علیٰ سیدنا و شفیعنا محمد وعلی آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

آمین

خاکپائے علماء و اولیاء
سید احمد قاسم شاہ بخاری

تحریر التحریر عیدگاہ سرینگر
محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

آخر میں آپ!

اس کتاب کے چند ماخذ و مصادر ملاحظہ فرماویں :-

۱۔ القرآن الحکیم۔
۲۔ تفسیر خازن۔
۳۔ تفسیر جلالین۔
۴۔ اعظم التفاسیر
۵۔ صحیح بخاری۔
۶۔ صحیح مسلم۔
۷۔ جامع ترمذی۔
۸۔ سنن ابن ماجہ۔
۹۔ نسائی شریف
۱۰۔ مرقات شرح مشکوٰۃ
۱۱۔ مشکوٰۃ شریف
۱۲۔ سیرۃ ابن ہشام
۱۳۔ ابن خلدون
۱۴۔ قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمٰن
۱۵۔ مشکلات القرآن
۱۶۔ [illegible]
۱۷۔ کنز القرآن
۱۸۔ ہدایہ فقہ
۱۹۔ ردّ المحتار (شامی)
۲۰۔ درِ مختار
۲۱۔ فتاویٰ ہندیہ۔
۲۲۔ شرح التنویر
۲۳۔ عالمگیری
۲۴۔ بیہقی
۲۵۔ بحر الرائق شرح کنز الدقائق
۲۶۔ کتاب الآثار
۲۷۔ سیرۃ النبی
۲۸۔ شرح عقائد نسفی
۲۹۔ بہشتی زیور
۳۰۔ بدائع
۳۱۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۳۲۔ فتاویٰ رحیمیہ
۳۳۔ مثنوی مولانا روم وغیرہ